ط ٢، ٨٩١
س

15.2.75

چودھری سلطان کے ڈرامے

مصنّفہ

چودھری سلطان رائٹر و پروڈیوسر آل انڈیا ریڈیو

(باجازت آل انڈیا ریڈیو)

پبلشر

مکتبہ سیاسیہ اردو بازار دہلی

تعداد دو ہزار ۲۰۰۰ قیمت تین روپے

انتساب

ڈراموں کے اس مختصر مجموعے کو میں رشید احمد صاحب
سٹیشن ڈائرکٹر آل انڈیا ریڈیو کے نام نامی اسم گرامی
سے منسوب کرتا ہوں

سلطان

فہرستِ مضامین

تعارف

اگر لوگوں سے سوال کیا جائے کہ آل انڈیا ریڈیو دہلی میں سب سے زیادہ دلچسپ اور سب سے زیادہ عام پسند پروگرام کونسا ہی تو اس کا ایک ہی جواب ہوگا — دیہاتی پروگرام..... اور اس پروگرام کے رُوحِ رواں ہیں چودھری سلطان صاحب۔ چودھری صاحب کے دل کش انداز بیان سے کون واقف نہیں۔ ہندوستان —— ہندوستان ہی نہیں دُنیا کے ہر گوشہ میں کروڑوں انسان آئے دن ان کی وہ آواز سنتے ہیں جسکی متانت میں ظرافت کی چاشنی اور جسکی ظرافت پر متانت کا رنگ ہوتا ہی۔ ظرافت و متانت کا یہی وہ حیرت انگیز امتزاج ہی جسنے دیہاتی پروگرام کو آل انڈیا ریڈیو کا سب سے زیادہ عام پسند پروگرام بنا دیا ہی اور جسکی وجہ سے "دیہات سدھار" جیسے خشک موضوعات بھی دلچسپ بنجاتے ہیں۔ چودھری صاحب کا انداز بیاں صرف پرکشش ہی نہیں بلکہ پُرتاثیر بھی ہی۔ اسکی وجہ یہ ہی کہ انکی آواز حلق سے نہیں، دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہی۔ وہ دیہاتی پروگرام میں صرف اسلئے کام نہیں کرتے کہ وہ اسکے پروڈیوسر اور رائٹر ہیں بلکہ اس لئے بھی کہ دیہاتیوں کی اصلاح اوائل عمر ہی سے چودھری صاحب کا ایک مقدس نصب العین رہی ہے۔

آج سے دس سال پہلے کی بات ہی۔ ہمارے چودھری صاحب زندگی کی دوڑ میں ابھی پوری طرح داخل بھی نہ ہوئے تھے کہ ان کے وطن مالوف رہتک میں مسٹر ایف۔ ایل۔ برین

کمشنر اصلاح دیہات پنجاب کی زیر صدارت دیہات سدھار کا جلسہ ہوا جسمیں چودھری سلطان صاحب نے بھی ایک نظم پڑھی۔ نو عمر شاعر کی پہلی نظم تھی لیکن چونکہ اس کا مقصد ستائش طلبی نہیں خدمت قومی کا جذبہ تھا۔ اس لئے ہر شعر تیر بنکر سامعین کے کلیجوں میں پیوست ہوا شور تحسین سے جلسہ گاہ گونج اٹھی اور نو عمر شاعر کو اسکی پہلی نظم پر سونے کا تمغہ ملا۔ اسکے بعد دیہات سدھار کے سلسلے میں کوئی ایسا جلسہ نہ تھا جسمیں روہتک کے نو عمر مگر پیکرِ خلوص شاعر کو بصد اصرار طلب نہ کیا جاتا ہو اور اس کا کلام تمغے اور اسناد حاصل نہ کرتا ہو۔ لارڈ لن لتھگو سابق وائسرائے نے بھالوٹ ضلع روہتک میں دربار منعقد کیا۔ اس موقع پر بھی وائسرائے کی خدمت میں خیر مقدم کی نظم پیش کرنیکے لئے حکام کی نظر جس شاعر کی طرف اٹھی وہ چودھری سلطان تھے۔ چودھری صاحب نے وائسرائے کی خدمتمیں نظم پیش کی۔ اور اس معرکہ آرا نظم میں انہوں نے جس پُر جوش انداز میں وائسرائے کی توجہ دیہات کے ستم کش باشندوں کی جانب مبذول کی تھی اسے خود وائسرائے نے بھی پسند فرمایا۔

مفید اصلاحی شاعری کی طرح چودھری صاحب کو ڈرامہ نگاری کا شوق بھی اوائل عمر ہی سے ہے۔ ابھی وہ ابتدائی جماعتوں ہی میں تھے کہ ان کے لکھے ہوئے ڈرامہ اساتذہ کی توجہات کا نقطہ ماسکہ ثابت ہوتے تھے اور جب کبھی سکول میں ڈرامہ ہوتا تو افسانہ نگاری اور اداکاروں کے انتخاب کا فرض اس کم سن ڈرامہ نگار ہی کو تفویض کیا جاتا۔ عمر کے ساتھ ساتھ ڈرامہ نگاری کا شوق بھی بڑھتا گیا۔ یہانتک کہ شہر اور ضلع میں جب کسی کلب کیجانب سے ڈرامہ ہوتا تو چودھری سلطان صاحب کی امداد و شرکت ناگزیر تسلیم کیجاتی اور انھیں بہ اصرار تمام شریک کیا جاتا۔ اداکاری کے سلسلے میں چودھری صاحب کی یہ خصوصیت ہمیشہ قابلِ ذکر رہی ہے کہ وہ بسا اوقات کتابی پارٹ کو چھوڑکر اپنی طرف سے اپنے فقرات اداکرتے ہوئے پارٹ پورا کرتے ہیں اور یہی ان کی خصوصیت

آج بھی آل انڈیا ریڈیو کے دیہاتی پروگرام میں نمایاں نظر آتی ہے۔

پروڈیوسر اور رائٹر کی حیثیت سے آل انڈیا ریڈیو کے اسٹاف میں شامل ہونے کے بعد آپکی ڈرامہ نگاری کا شوق صرف یہی نہیں کہ بڑھتا گیا بلکہ اہم ذمہ داری کے احساس نے آپکے انداز تحریر میں ایک خاص رنگ پیدا کرکے افادیت کے دائرے کو وسیع تر کردیا۔ چودھری سلطان صاحب کی ادبی زندگی کے اس دوسرے دور کے دلچسپ ڈراموں کا مجموعہ اشاعت ناظرین کے سامنے ہے

چودھری صاحب کو ہندوستان کی تاریخ سے فطری ذوق ہے۔ اسی لئے آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہونیوالے ان کے بیشتر ڈرامے تاریخی نوعیت کے ہوتے ہیں اور اس مجموعہ میں بھی آپ کو زیادہ تر تاریخی ڈرامہ نظر آئیں گے۔ اُوپر بتایا جاچکا ہے کہ چودھری سلطان صاحب نے اصلاح دیہات کے ذریعہ خدمت خلق کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا رکھا ہے۔ کیونکہ ہندوستان کی آبادی کا بہت بڑا حصہ شہروں میں نہیں دیہات میں اپنی زندگی کے پُرمحن ایام بسر کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہندو مسلم امتیاز سے بالاتر ہوکر ہی اس مقصد عظیم کو کامیاب بنایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ہمارے چودھری صاحب نے جہاں ایک طرف بابر۔ ہمایوں۔ اکبر۔ جہانگیر اور نورجہاں ڈرامہ لکھکر سلاطین اسلام کی زندگی کے روشن پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔ وہاں انھوں نے بکرماجیت اور راجہ بھوج جیسے ڈرامہ لکھکر ہندو عظمت رفتہ کی یاد بھی ہمارے دلوں میں تازہ کردی ہے۔

خدمت خلق اور ہندو مسلم اتحاد کے اس قابلِ مثال جذبہ نے چودھری صاحب کی زبان میں ایک خاص قسم کی دلفریب سلاست پیدا کردی ہے۔ ان کے ڈراموں میں نہ تو عربی و فارسی کے غیرمانوس الفاظ ہوتے ہیں نہ سنسکرت کے ثقیل و ناقابل فہم الفاظ۔ وہ اس قدر آسان اور سلیس زبان لکھتے ہیں کہ اسے معمولی لکھے پڑھے مسلمان بھی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں اور ہندو بھی

چودھری صاحب کا مقصد چونکہ اپنے اصلاحی پیغام کو ہندوستان کے بیش از بیش فرزندوں کے کانوں تک پہنچانا ہے اس لئے وہ دور افتادہ استعاروں۔ بعید از قیاس تشبیہوں اور الجھی ہوئی ترکیبوں سے ہمیشہ احتراز کرتے ہیں۔ ان کی عبارت پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے فقروں کی لڑیاں ہیں جنہیں مصنف نے میٹھے میٹھے الفاظ کے موتیوں سے پرو دیا ہے۔

چودھری صاحب انسانی نفسیات کو خوب سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے انکے انداز بیان میں ایک خاص قسم کا اثر پایا جاتا ہے۔ لوگوں کے جذبات سے کھیل کر وہ جب چاہیں انہیں رُلا سکتے ہیں اور جب چاہیں ہنسا سکتے ہیں۔ حزن وملال کی کیفیت طاری کرنیکے لحاظ سے "بابر" کا آخری سین قابلِ مثال ہے۔ کون ایسا سنگدل انسان ہوگا جو اسے پڑھکر بابر کی موت پر دو آنسو نہ بہادے۔ اسی طرح مزاحیہ اعتبار سے چودھری صاحب کا ڈرامہ "دلی کی سیر" لاجواب ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ آپ اسکی چند سطور پڑھیں اور ہنسی کو ضبط کرسکیں۔

چودھری صاحب کے ڈرامے فنی اعتبار سے بھی کچھ کم قابلِ ذکر نہیں۔ انکا ہر کیرکٹر اس حد تک کامیاب ہے کہ نقل پر اصل کا گمان نہیں یقین ہوتا ہے۔

چودھری سلطان کے ڈراموں کا مجموعہ اُردو ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ دلدادگانِ ادب بدرجہ اتم اسکی قدر شناسی کریں گے۔ اس سلسلہ کا دوسرا مجموعہ بھی بہت جلد ناظرین کے سامنے آجائے گا۔

محمد الیاس رشیدی
جوائنٹ ایڈیٹر "انجام" ڈیلی
دہلی

۸ مئی ۱۹۴۵ء

راجہ بکرماجیت

راجہ بکرماجیت ہندوستان کے ایک بہت مشہور راجہ گذرے ہیں۔ ان کے بہت سے قصّے مختلف کتابوں میں لکھے ہوئے آپ نے پڑھے ہوں گے۔ لیجیے آج ہم بھی آپ کو ان ہی میں سے ایک قصہ سُناتے ہیں۔ ہمارے ان قصّوں کا یہ سلسلہ راجہ بھوج سے شروع ہوتا ہے۔

راوی۔ راجہ بکرماجیت کے بہت عرصے بعد راجہ بھوج پیدا ہوئے۔ یہ اُجین کے راجہ تھے۔ ان کے راج میں سب لوگ ایسے چین سے رہتے سہتے تھے۔ کہ شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔ اور سب یہ کہتے تھے کہ ایشور نے انہیں دُنیا میں بے سہاروں کا سہارا بنا کر بھیجا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہو کہ شہر اُجین کے باہر ایک کسان نے کھیرے بوئے۔ فصل تیار ہو گئی۔ اور رکھوالے کی ضرورت پڑی۔ تو کسان نے اپنے لڑکے سے کہا۔

کسان۔ بدھو...... ارے او بدھو ادھر آ۔

بدھو۔ کیا بات ہے۔

کسان۔ دیکھ کھیرے پک گئے ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی دیکھ بھال کیجائے۔ اگر ٹھیک طریقے پر رکھوالی نہ کی گئی تو جانور یا پنکھ پکھیرو انھیں تباہ کردیں گے۔

بدھو۔ میں بھی یہی بات کہنے والا تھا باپو۔ میرا خیال ہے کہ کھیت کے باہر جو جگہ خالی پڑی ہے وہیں مچان بنا دیا جائے۔

کسان۔ یہ ٹھیک ہے۔ آؤ ابھی بنا دیں۔ دیر ہی کتنی لگے گی۔

بدھو۔ ہاں سب سامان تو ہمارے پاس موجود ہی ہے۔ بس پہنچنے کی دیر ہے۔ تو آؤ باپو دیر نہ کرو۔

کسان۔ بس یہاں کافی اونچان ہے۔ یہیں مچان بناؤ۔ یہ پھاوڑا تو مجھے دے —— اس ڈنڈے کو اس گڑھے میں دبا دے —— لے یہ دوسرا ڈنڈا یہاں گاڑ دے —— بس ٹھیک ہے۔ پیچھے کی طرف سے درخت کا سہارا ہے۔ بن گئی مچان۔ لے اوپر چڑھ کر اس تختے کو ان ڈنڈوں اور درخت کے ساتھ باندھ دے۔

بدھو۔ اچھا (لڑکا درخت پر چڑھ جاتا ہے اور تختے کو ڈنڈے اور درخت سے باندھ دیتا ہے)

کسان۔ اب اس مچان پر بیٹھ کر بھی دیکھ لے۔ خوب تسلی کرلے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کمزور بندھی ہو —— اچھا تو نیچے آ۔ میں خود دیکھتا ہوں —— بندھ تو مضبوط ہی گئی ہے —— اوہ —— ارے کوئی ہے۔ جلدی جاؤ۔ راجہ

بھوج کو پکڑ کر لاؤ۔

بدّھو (گھبرا کر) باپو۔

کسان۔ اس کو گدّی سے اُتار دو۔ اور فوراً میرے سامنے حاضر کرو۔

بدّھو۔ باپو یہ کیا کہہ رہے ہو۔

کسان۔ ہم کچھ نہیں سُننا چاہتے۔ راجہ بھوج کو ہمارے سامنے حاضر کرو۔

بدّھو۔ ہائے ہائے میرے باپو کو کیا ہو گیا۔ ارے رامو۔ گھیسو بھاگو۔ میرے باپو کو کیا ہو گیا۔

رامو۔ (دُور سے) کیا ہُوا کیا ہوا۔

کسان۔ راجہ بھوج اب تک حاضر کیوں نہیں ہوا۔

رامو۔ ایں..... مہاراج کا نام لے رہا ہے۔ ارے گھیسو۔ دوڑ یہ تو ہم سب کو کوٹھوں پلوائے گا۔

گھیسو (شور و شر) آئے بھیّا آئے۔

کسان۔ تم لوگ میرا مُنھ کیوں تک رہے ہو۔ جلدی راجہ بھوج کو پکڑ کر لاؤ۔

رامو۔ ارے تیرا ناس جائیے۔ او گھیسو اسے کیا ہو گیا۔ اس کا مُنھ بند کرو۔

گھیسو۔ چاچا پیپل والی رہتی ہو یہاں۔ اُس کا سایہ ہو گیا۔

رامو۔ پر یہ تو سب پر اپنا سایہ پھیرنے کو ہو رہا ہی۔ اسے نیچے گھسیٹو اور گھر میں لیجا کر بند کر دو۔ آؤ چڑھو اوپر۔

کسان۔ راجہ بھوج کو پکڑ کر لاؤ۔

رامو۔ دیکھ ہم تجھے پکڑ وائیں۔

کسان (ہوش میں آ کر) ہیں...... یہ کیا...... ارے بھائی تم مجھے کیوں گھسیٹ رہے ہو۔

گھیسو۔ تُو ابھی ابھی کیا کہہ رہا تھا۔

کسان۔ کچھ بھی نہیں۔

رامو۔ تُم نے مہاراج کو بُرا بھلا نہیں کہا۔

کسان۔ رام رام کرو بھیا۔ مَیں اور مہاراج کو بُرا کہوں۔

رامو۔ ارے اس کا دماغ تو نہیں چل گیا۔ ابھی ابھی تو مچان پر کھڑا ہوا بکواس کر رہا تھا۔ اب کہتا ہے مَیں اور مہاراج کو بُرا کہوں۔

کسان۔ مچان...... مچان کے اُوپر میں چڑھا ہی کب تھا۔

گھیسو۔ لو سُنی اس کی بات۔ اور وہاں دیکھنا مچان کی طرف۔ اس کی چادر اب تک مچان پر ہی موجود ہے۔

رامو۔ اب کوئی اس سے پُوچھے کیا چادر اُڑ کر وہاں پہنچ گئی۔

کسان (شرمندہ ہو کر) چادر...... اوہ...... کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا بات ہے

رامو۔ جب بے بھاؤ کے پڑیں گے تو سب کچھ سمجھ میں آ جائے گا...... وہ تو یُوں کہو کہ ہم لوگ پڑوسی کی وجہ سے تیرا لحاظ کر رہے ہیں۔ نہیں یاد رکھ مہاراج کو اس کی خبر کر دیں تو وہ کولھو میں پلوانے سے کم سزا نہ دیں۔

گھیسو۔ اتنی اتنی بوٹیاں کر کے چیل اور کوؤں کو کھلوا دیں...... آیا تھا بکواس کرنے...... جا اُتار لا اپنی چادر مچان سے۔

کسان اچھا (اوپر پہنچکر) "ہوں" ابھی تک ہمارے کہے پر عمل نہیں کیا گیا

تم لوگ کیا سن رہے ہو۔ جلدی جاؤ اور راجہ بھوج کو ہمارے حضور میں حاضر کرو۔

بڈھو۔ ارے رہے رہے ...... باپو کو پھر کچھ ہو گیا۔

کسان۔ راجہ بھوج میں تمھیں اس طرح راج کرتے نہیں دیکھ سکتا۔

گھیسو (غصے ہو کر) اسے پکڑ کر نیچے گھسیٹ لو۔ اور اتنا مارو کہ اس میں دم باقی نہ رہے۔

رامو۔ اور پھر اس کے بعد اسے مہاراج کے پاس لے چلو۔ ہمارے منھ پر ہمارے مہاراج کو برا بھلا کہتا ہے۔

کسان۔ نہیں کیا ہو گیا۔ جو تم میرا حکم نہیں مانتے۔ کیا تم بہرے یا گونگے ہو۔ جلد راجہ بھوج کو پکڑ کر لاؤ ...... یہاں محل بناؤ ...... دیوان جی کہاں ہیں انھیں بلاؤ ——

گھیسو۔ کیا کھڑے دیکھ رہے ہو۔ آؤ سب مل کر اسے ٹھیک بنا دیں۔

راوی۔ سب نے مل کر پہلے تو کسان کی خوب مرمت کی اور پھر اسے راجہ بھوج کے دربار کی طرف لے چلے۔

راجہ بھوج کا دربار

راجہ۔ سناؤ دیوان جی۔ رعایا کا کیا حال ہے۔

دیوان۔ مہاراج۔ سب اپنی اپنی جگہ خوش ہیں۔ اور ......

دربان۔ مہاراج کی جے ہو۔ کچھ کسان ایک آدمی کو پکڑ کر لاتے ہیں اسے حضور کے سامنے پیش کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔

راجہ ۔ اجازت ہو لا ۔ راجہ بھوج ان کے دُکھ سُکھ سُننے کے لئے ہر وقت تیار ہے

دربان ۔ جو حکم ۔

دیوان ۔ ضرور یہ کسی مشہور چور یا ڈاکو کو پکڑ کر لائے ہیں ۔

راجہ ۔ ہمارا بھی ایسا ہی خیال ہے ۔

رامو، گھیسو ۔ مہاراج کی جے ہو ۔

راجہ ۔ کسانو کہو تم کیسے آئے ہو ۔

گھیسو ۔ ہم ۔ اس ...... اس بدمعاش کو پکڑ کر لائے ہیں مہاراج ...... یہ ......

راجہ ۔ کہو کہو ۔ رُک کیوں گئے ...... یہ کون ہے ۔ اور اسنے کیا کیا ہے ۔

رامو ۔ یہ بھی ہم جیسا ہی ایک کسان ہے ۔ یہ مہاراج کا نام لے لیکر ......

راجہ ۔ کیا کہتا ہے ہمارا نام لیکر ۔

کسان ۔ مَیں تو کچھ نہیں کہتا مہاراج ۔ مَیں نے تو کچھ بھی نہیں کہا ۔ یہ سب جھوٹے ہیں ۔ بھلا میں اپنے مہاراج کو کیسے بُرا بھلا کہہ سکتا ہوں ۔

راجہ ۔۔ ہم سمجھے ۔ تم نے ان کے سامنے ہمیں بُرا بھلا کہا ۔

گھیسو ۔ جی سرکار ۔ یہی بات ہے ۔

کسان (گھبرا کر) نہیں ان داتا ۔ یہ سب کے سب میرے دشمن ہو گئے ہیں ۔ میری زبان پر ایسے لفظ آ ہی نہیں سکتے ۔

راجہ ۔ گھبراؤ نہیں ۔ اگر تم نے ایسی حرکت کی ہے تو بھی ہم نے تمھیں معاف کر دیا ۔ لیکن ۔ ضرور بتانا ہو گا کہ ہم سے تمھیں کیا دُکھ پہنچا ۔

کسان ۔ کچھ بھی نہیں مہاراج ۔ مَیں تو سدا آپ کے گُن گاتا رہوں گا ۔ میں پھر یہ

کہتا ہوں۔ میں نے کچھ نہیں کہا۔

راجہ۔ (دوسرے لوگوں سے) ہوں ...... تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس نے اپنے راجہ کو برا بھلا کہا۔

گھیسو۔ ہم نے اپنے کانوں سے سنا سرکار۔ کیوں رامو۔

رامو۔ جی ہاں۔ جب ہم نے اسے مچان سے نیچے گھسیٹ کر ڈرایا دھمکایا اسوقت باز آیا اور کہنے لگا مجھے تو مچان پر چڑھنا ہی یاد نہیں۔

گھیسو۔ اور مہاراج جب دوبارہ مچان پر چڑھا تو پھر وہی بکواس کرنے لگا۔ کہ مہاراجہ بھوج کو بلاؤ۔ یہ راج ان کا نہیں ...... میرا ہے۔ میں ان سے زبردستی یہ راج چھینوں گا۔ پر اس کے بعد پھر ہم نے سے نیچے گھسیٹا تو اچھا خاصہ ہو گیا۔

دیوان۔ اس نے اس وقت شراب تو نہیں پی رکھی تھی

گھیسو۔ نہیں دیوان جی۔ جھوٹ کیسے کہہ دیں۔ نشہ نہیں کیا ہوا تھا۔ اگر نشہ کیا ہوتا تو یہ مچان سے اتر کر بھی وہی بکواس کرتا۔ مگر نیچے آنے کے بعد یہ کچھ نہیں کہتا تھا۔ بلکہ ......

رامو۔ سچ کہنا چاہیے۔ ہماری طرح یہ بھی مہاراج کا نام عزت سے لیتا تھا۔

کسان۔ پر میں پھر یہی کہتا ہوں مہاراج۔ کہ میں نے اپنے خیال میں کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالا۔

راجہ۔ عجیب معاملہ ہے۔ خیر۔ ہم خود وہیں چلکر اس بات کی چھان بین کریں گے دیوان جی ان کے کھیتوں میں چلنے کی تیاری کرو۔

دیوان۔ بہت بہتر مہاراج۔

راوی۔ راجہ بھوج امیروں اور وزیروں کے ساتھ وہاں پہنچے۔ اُس ٹیلے اور اُس مچان کو دیکھا بھالا لیکن کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ دوسرے کسانوں کے کہنے سے راجہ بھوج نے اُس کسان کو مچان پر چڑھنے کا حکم دیا۔ اُس نے مچان پر قدم رکھا ہی تھا کہ فوراً ہی بے قابو ہو گیا۔ اور پھر وہی بکواس شروع کر دی۔ اب تو سب لوگوں کو بہت ہی تعجب ہُوا۔ کسان کو مچان سے نیچے کھینچ لیا گیا۔ تو پھر وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔ اور گڑگڑا کر معافی مانگنے لگا۔ راجہ بھوج خاموش ہو کر اپنے محل میں واپس آ گئے۔ لیکن اس عجیب بات نے انھیں فکر میں ڈال دیا۔ بہت رات گئے تک انھیں نیند نہ آئی۔ تو اُن کی رانی نے کہا:۔

رانی۔ آج کیا ہو گیا ہے مہاراج آپ کو میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے۔

راجہ۔ تمھیں باندیوں کی زبانی کسان کا حال معلوم نہیں ہوا رانی۔

رانی۔ جی۔ مَیں نے سب کچھ سُن لیا ہے۔ ایسی بات چُھپی تو رہ ھی نہیں سکتی۔

راجہ۔ اب تم ھی بتاؤ کہ اس انوکھی بات پر مجھے کیسے فکر نہ ہو۔

رانی۔ میرے خیال میں کسان دیوانہ ہے۔ سو دیوانوں کی بات پر آپ کو دھیان ہی نہیں دینا چاہیئے۔

راجہ۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر کچھ بات ہی نہ تھی۔ وہ پاگل نہیں ہے۔ سمجھدار ہے۔ اور ہر بات کو خوب سمجھتا ہے۔ صرف مچان پر قدم رکھتے ہی اُس کا یہ حال ہو جاتا ہے۔

رانی۔ عجیب بات ہے۔ اپنے مہاراج کو اُن کے مُنھ پر بُرا کہتا ہے۔

راجہ۔ وہ جان بوجھ کر بُرا نہیں کہتا۔ بلکہ اُسے تو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس نے کیا کچھ

کہا۔ سوچتا ہوں..... جب تک یہ بھید نہ کھل جائے ۔ میں کس طرح چین
پا سکتا ہوں۔

باندی۔ مہاراج دیوان جی آئے ہیں۔ اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

راجہ۔ بلا لاؤ۔

باندی۔ جو حکم مہاراج۔

رانی۔ میں نے دیوان جی سے کہلوایا تھا کہ وہ پنڈتوں۔ جوتشیوں اور نجومیوں
سے ملیں۔ اور جو کچھ ان سے بات چیت ہو وہ ہمیں آکر اطلاع دیں۔

راجہ۔ یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ وہ اس بھید کو حل کریں۔

دیوان۔ مہاراج کی جے ہو۔

راجہ۔ آیئے دیوان جی۔ کچھ معلوم کیا آپ نے۔

دیوان۔ جی ہاں۔ جوتشیوں نے جو رائے ظاہر کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ مہاراج بھی
اسے پسند کریں گے۔

دیوان۔ وہ کہتے ہیں:۔ مہاراج کو اس واقعہ سے گھبرانا نہیں چاہئیے۔ بلکہ کسان
کا یہ کہنا آپ کے لئے مبارک ہے۔ ان کا خیال ہے کہ وہاں ضرور کوئی بڑا
خزانہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسان جب اس پر بیٹھتا ہے تو اس کے اثر سے اس کا
دماغ بادشاہوں جیسا ہو جاتا ہے۔ اور وہ ایسی باتیں کرنے لگتا ہے جیسی
کہ مہاراج نے سنیں۔

راجہ۔ یہ بات ہمارے بھی دل کو لگی ہے۔ دیوان جی۔ آپ اسی وقت بہت
سے بیلدار وہاں بھیجئے۔ اور وہ اس جگہ کو احتیاط سے کھود دیں۔ ہم خود

بھی وہاں آتے ہیں۔

مزدور۔ یہ کیا —— ؟ تخت —— ؟ مہاراج ایک بہت بڑا تخت۔
راجہ۔ شاباش۔ اسے بہت احتیاط سے باہر نکالو۔ خبردار کہیں سے ٹوٹنے نہ پائے۔
مزدور۔ یہ تو ہلتا ہی نہیں مہاراج۔ یہ باہر کیسے آئے گا۔
راجہ۔ سب مل کر زور لگاؤ۔
مزدور (زور لگا کر) یہ تو ہلتا ہی نہیں مہاراج ۔۔۔ جادو کا کھیل معلوم ہوتا ہے۔
پنڈت۔ (آگے بڑھ کر) زور لگانا بیکار ہے مہاراج۔ یہ سنگھاسن دیوتاؤں کا بنایا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ انسان تو الگ رہا زمین کی کوئی طاقت اسے جگہ سے نہ ہلا سکتی ہے نہ اٹھا سکتی ہے۔
راجہ۔ تو پھر یہ کیسے نکالا جائے گا۔
پنڈت۔ اس کے لیے دان پُن اور خیر خیرات کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد یہ خود بخود اپنی جگہ سے ہل جائیگا۔
راجہ۔ ایسا ہی کیا جائیگا۔ دیوان جی خزانوں کے دروازے کھول دو۔ آج ہمارے راج میں کوئی غریب، غریب نہ رہے۔
راوی۔ دان پُن اور خیر خیرات کا نتیجہ یہ نکلا کہ تخت خود بخود اپنی جگہ سے اٹھا اور زمین کے اوپر آ کر رک گیا۔ اسی وقت جھاڑ پونچھ کر صاف کیا گیا تو وہ جگمگ جگمگ کرنے لگا۔ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ کسی نے ایسی چیز پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ تخت کے چاروں طرف آٹھ پتلیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ اور ہر پتلی اپنے ہاتھ میں کنول۔ ایک

پھول تھامے ہوئے تھی۔ خیر، سب کی صلاح یہ ہوئی کہ اچھی مہورت میں راجہ بھوج خود اس تخت پر بیٹھ کر اس کی خوبصورتی بڑھائیں۔ دن مقرر ہو گیا۔ دور و نزدیک کے سب راجاؤں کو بلا لیا گیا۔ اور اس وقت راجہ بھوج اس پر بیٹھنے کیلئے آگے بڑھے لیکن ....

وہ اس پر قدم رکھنے ہی والے تھے کہ اس تخت پر جو پتلیاں بنی ہوئی تھیں پہلے تو ان سب میں سے ہنسنے کی آواز آئی۔ پھر ایک پتلی بولنے لگی اور اس نے کہا...

پتلی ۔ راجہ بھوج اس سے پہلے کہ تم اس تخت پر قدم رکھو، میری ایک بات کا جواب دو۔

راجہ ۔ ہیں..... پتلی بول رہی ہے۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں۔

پتلی ۔ جو میں کہنا چاہتی ہوں وہی تم سن رہے ہو۔

راجہ ۔ اچھا کہو۔ تمھیں کیا کہنا ہے۔

پتلی ۔ میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ تم اس تخت پہ کیا سوچ کر قدم رکھ رہے ہو۔

راجہ ۔ کیوں۔ کیا میں راجہ نہیں یا اس تخت کا مالک نہیں۔

پتلی ۔ تم راجہ بھی ہو اور اب اس تخت کے مالک بھی ہو۔ لیکن تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ تخت کس کا ہے۔

راجہ ۔ نہیں۔

پتلی ۔ یہ تخت راجہ بکرماجیت کا ہے۔ اب تم بتاؤ کیا تم راجہ بکرماجیت کی کسی بات میں برابری کر سکتے ہو۔

راجہ ۔ راجہ بکرماجیت ...... (سوچتا ہے)

دیوان۔ مہاراج اس بات کا جواب میں دوں گا۔

پتلی۔ راجہ سے جواب بن نہ پڑا تو اس کے وزیر نے قدم آگے بڑھایا۔

دیوان۔ کیوں نہ بڑھاؤں۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ کوئی شخص اپنے مُنہ سے اپنی بڑائی نہیں کر سکتا۔ پھر مہاراج اس بات کو کیسے بیان کر سکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مہاراجہ بھوج بھی اپنے وقت میں کسی بات میں کم نہیں۔

پتلی۔ تم غلط کہہ رہے ہو۔

دیوان۔ نہیں۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں صحیح کہہ رہا ہوں۔ اگر میں غلطی پر ہوں تو تم مجھے مہاراجہ بکرماجیت کی کوئی ایسی بات بتاؤ جو ہمارے مہاراجہ نے نہ کی ہو۔

پُتلی۔ ایک کیا بہت سی باتیں ہیں۔

دیوان۔ بھلا ہم بھی تو سُنیں ...... وہ کونسی ہیں۔

پُتلی۔ سُنو...... ایک دفعہ کا ذکر ہو کہ راجہ بکرماجیت ایک دریا کے کنارے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ بڑا سُہانا وقت تھا..... اور ناچ گانا ہو رہا تھا..... لیکن ابھی یہ محفل گرم تھی کہ ایک دم راجہ کے کانوں میں ایک آواز آئی۔....

آواز۔ آہ...... بچاؤ..... بچاؤ......

عورت۔ ہائے..... میں ڈوب رہی ہوں..... کوئی مجھے بچاؤ۔

بکرم۔ یہ ایسی دردناک آوازیں کہاں سے آرہی ہیں۔ فوراً ناچ گانا بند کر دیا جائے۔

عورت۔ (ڈوبتے ہوئے) بچاؤ..... بچاؤ......

بکرم۔ ایشور..... کوئی پانی میں ڈوب رہا ہو۔

دربان۔ مہاراج غضب ہو گیا۔ ایک عورت اور ایک مرد دریا میں ڈوب رہے ہیں۔

سب تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ لیکن کسی میں یہ ہمت نہیں کہ انھیں دریا سے باہر نکالے۔

بکرم۔ (جلدی سے اُٹھکر) میں انھیں پانی سے باہر نکالوں گا۔ چاہے اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

منتری۔ مہاراج چڑھاؤ غضب کا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ آپ کو ......

بکرم۔ تم میری فکر نہ کرو۔

منتری۔ مہاراج پہلے ہم ......

بکرم۔ ہٹ جاؤ مجھے باتوں میں نہ لگاؤ۔ اگر یہ ڈوب گئے تو اس کا الزام مجھ پر رہے گا۔

منتری۔ مہاراج آپ تو اچھی طرح سے تیرنا بھی نہیں جانتے۔

بکرم۔ کوئی پرواہ نہیں۔ تم باتوں میں میرا وقت ضائع نہ کرو (وہ دریا میں کود جاتا ہے)

عورت (ڈوبتے ہوئے) آہ ...... ایشور ......

بکرم۔ ٹھیرو ...... میں آپہنچا۔ تم میری کمر میں اپنا ہاتھ ڈال لو۔ اے شخص تو بھی مجھے مضبوطی سے پکڑ لے ——

پتلی۔ اس طرح سے راجہ بکرماجیت نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر ان دونوں کو بچالیا۔ دریا سے باہر نکلنے کے بعد جب ان سب کے ہوش ٹھکانے پر آگئے تو وہ آدمی بولا ——

آدمی۔ مہاراج — آپ نے ہم پر بڑی مہربانی کی۔

بکرم۔ نہیں نہیں۔ یہ تو میرا فرض تھا۔ اگر تم ڈوب جاتے تو میرا جینا بیکار تھا۔

یہ تم نے نئی زندگی نہیں پائی — میں نے پائی ہے۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم ڈوب کیوں رہے تھے۔

آدمی۔ مہاراج ....

بکرم۔ بولو۔ رُک کیوں گئے۔

آدمی۔ یہ میری عورت ہے۔ ہم دونوں کی لڑائی ہو گئی تھی۔ یہ ناراض ہو کر گھر سے چلی آئی اور دریا میں ڈوب کر مرنا چاہا — میں بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ تھا۔ اور جب یہ دریا میں کُود پڑی تو میں بھی اس کے بچانے کے لئے دریا میں کُود پڑا۔ تیرنا آتا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں بھی غوطے کھانے لگا۔

بکرم۔ کیا میں جان سکتا ہوں کہ تم دونوں کی آپس میں لڑائی کیوں رہتی ہے۔

عورت۔ مہاراج ..... یہ مجھ سے ......

بکرم۔ جھگڑتے رہتے ہیں — کیوں یہی بات ہے نا۔

عورت۔ جی۔

بکرم۔ لیکن تمہیں ایسا نہیں چاہیئے تھا کہ ایک ذرا سی بات پر اپنی جان کھونے کو تیار ہو جاؤ۔

عورت۔ کیا کرتی مہاراج — میں تنگ آ گئی تھی۔ یہ جو کچھ کماتے تھے ...... سب اِدھر اُدھر کھو دیتے تھے۔

بکرم۔ تمہیں بھی ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ اپنی گھر والی کو دکھ دینا بڑا گناہ ہے۔ اچھا اب تمہیں چاہیئے کہ تم کوئی اچھا سا کاروبار شروع کر دو..... اور ہمیشہ

آپس میں میل ملاپ سے رہو...... دیوان جی۔

منتری۔ جی۔ مہاراج۔

بکرم۔ ان کو ابھی وقت ایک لاکھ روپیہ دیدیا جائے اور آرام سے ان کے گھر پہنچا دیا جائے۔

منتری۔ بہت اچھا مہاراج.....

بکرم۔ کیوں اے شخص اب تو تو خوش ہے۔

آدمی۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوئی مجھ پر مہاراج۔

بکرم۔ اچھا اب تم آپس میں کبھی لڑائی جھگڑا تو نہ اٹھاؤ گے۔

عورت۔ نہیں مہاراج۔

پتلی۔ راجہ بھوج تم نے کوئی ایسا کام کیا ہے۔ تم نے کبھی اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اس طرح کسی کی جان بچائی ہو۔

راجہ۔ نہیں۔ میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا۔

پتلی۔ بس تو اب تم ہی سوچ کر اس بات کا جواب دو۔ کیا تم اس تخت پر بیٹھنے کے حقدار ہو۔

دُوسرا باب

راجہ بکرما جیت

راوی۔ تو اس دن راجہ اس تخت پر بیٹھنے سے رُکا، لیکن اپنے دیوان کے کہنے سے دُوسرے روز پھر تخت پر بیٹھنے کا ارادہ کیا۔ مگر اس مرتبہ ایک اور پُتلی آڑے آئی۔ اور اُس نے راجہ بکرما جیت کا ایک اور قصہ سُنایا۔ کہ انھوں نے ایک بات کی چھان بین کے کارن کس طرح مصیبتیں جھیلیں۔ اس طرح راجہ بھوج دوسرے دن بھی تخت پر نہ بیٹھے۔ چند روز گزرنے کے بعد راجہ کے دیوان نے پھر ان سے کہا:۔

دیوان۔ مہاراج۔

بھوج۔ کیا کہنا چاہتے ہو دیوان جی۔

دیوان۔ یہی کہ ..... آپ کئی دن سے لاج پاٹ کے کاموں سے دُور ہی دُور رہنا پسند کر رہے ہیں۔

بھوج۔ تو کیا تم راجہ بھوج کو اتنا گرا ہوا سمجھتے ہو کہ رعایا کے سامنے اس کی اس طرح

بے عزتی ہونے پر بھی اس کے دل پر میل نہ آئے۔

دیوان۔ رنج ہونا ہی چاہیئے ان داتا۔ مگر یہ بھی تو سوچیئے کہ آپ کے مُنھ پر آپ کو اس طرح سے کہنے والی کوئی سمجھدار چیز تو تھی نہیں۔ یہ تو پتھر کی بنی ہوئی پتلیاں ہیں۔

بھوج۔ شرم تو اسی بات پر آتی ہو کہ پتھر کی پتلیاں راجہ بھوج کو اُس کے مُنھ پر بُرا بھلا کہتی ہیں۔

دیوان۔ آپ نے بات کو زیادہ بڑھالیا ہو مہاراج۔ وہ آپ کو بُرا بھلا نہیں کہتیں صرف آپ کے مُقابلے میں راجہ بکرماجیت کو اچھا سمجھتی ہیں۔

بھوج۔ ہُوں۔

دیوان۔ مجھے یقین ہو مہاراج کہ اب کوئی پُتلی آپ کا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کرے گی...... اس لیئے چلیئے...... اور تخت پر بیٹھکر اسکی خوبصورتی بڑھایئے۔

بھوج۔ (سوچ کر) اچھا...... چلو......

آواز۔ (دُور سے) مہاراجہ بھوج کی جے۔

دیوان۔ تخت موجود ہو مہاراج۔ اس پر بیٹھیئے۔

(راجہ تخت کی طرف بڑھتا ہو۔ اور پتلیاں کھلکھلاکر ہنستی ہیں)

تیسری پتلی۔ میں سمجھتی تھی کہ راجہ بھوج سے جو کچھ کہا گیا ہو وہ کافی ہو۔ اور اب وہ راجہ بکرماجیت کے تخت پہ قدم رکھنے کا حوصلہ نہ کرینگے۔ مگر میرا خیال غلط نکلا۔

بھوج۔ ساتھ ہی میرا بھی یہ خیال تھا کہ تم نے جو بڑائی کی باتیں کیں ان پر تمہیں بھی شرم آئی ہو گی۔ اور آئندہ کے لیئے بڑے بول بولنے سے توبہ کرلی ہو گی۔

پر میرا بھی یہ خیال غلط نکلا۔

پُتلی۔ مانتی ہوں کہ میری پہلی دو سہیلیوں نے بڑے بول بولے۔ مگر کوئی جھوٹ تو نہیں کہا۔ جو سچ بات تھی وہی کہہ دی۔

بھوج۔ ہوں ...... تو آخر تم کیا چاہتی ہو۔

پتلی۔ یہی کہ راجہ بکرماجیت کے تخت پر بیٹھنے کا خیال اپنے دل سے نکال دیجیے۔

دیوان۔ کیوں۔

پتلی۔ کیونکہ راجہ بھوج کسی بات میں بھی راجہ بکرماجیت کی برابری نہیں کر سکتے۔ اس لئے انھیں راجہ بکرماجیت کے تخت پر بیٹھنے کا بھی کوئی حق حاصل نہیں۔

دیوان۔ تمھارے خیال میں اب اور کون سی ایسی بات باقی ہے جو راجہ بکرماجیت میں تھی اور ہمارے مہاراج میں نہیں ہو۔

پتلی۔ ابھی تو بہت سی باتیں ہیں۔

بھوج۔ بھلا ہم بھی تو سنیں۔

پتلی۔ سنئے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ رات کا وقت تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ لیکن راجہ بکرماجیت اپنی رعایا کا حال معلوم کرنے کے لئے شہر سے باہر گھوم رہے تھے۔ اندھیرا گھُپ تھا اور ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ کہ اتنے ھی میں بجلی چمکی اور اُس کی روشنی میں راجہ بکرماجیت نے کچھ فاصلے پر ایک درخت سے رسّہ لٹکا ہوا دیکھا۔ قریب ہی ایک آدمی کھڑا تھا جو اس رسّے کو اپنے گلے میں ڈالنا چاہتا تھا۔

بھوج۔ گویا خود اپنے ہاتھوں اپنی موت بُلانا چاہتا تھا۔

پُتلی۔ جی۔ لیکن راجہ بکرماجیت فوراً اُس کی طرف لپکے۔ اور اس سے پہلے کہ وہ شخص پھانسی کے پھندے پر لٹکے۔ انھوں نے اسے للکارا۔

بکرم۔ (بھلتے ہوئے) ٹھیرو۔۔۔ ٹھیرو۔۔۔ خبردار ایسی حرکت نہ کر بیٹھنا۔

شخص۔ تم کون ہو۔

بکرم۔ مَیں کوئی بھی ہوں۔ تمھیں اس سے کیا۔ لیکن یاد رکھو۔ مَیں تمھارا یہ ارادہ پُورا نہ ہونے دوں گا۔ بجلی کی چمک میں مَیں نے سب کچھ دیکھ لیا ہے کہ تم کیا کرنے والے تھے۔

شخص۔ ہاں۔۔۔ مَیں مرنا چاہتا ہوں۔ تم نے بُرا کیا جو مجھے روکا۔ اب تک میری رُوح غموں سے چھٹکارا پا چکی ہوتی۔

بکرم۔ تم بتا سکتے ہو کہ تم کیوں مرنا چاہتے ہو۔

شخص۔ نہیں۔

بکرم۔ مجھ سے نہ چھپاؤ۔ مجھے اپنا دوست اور ہمدرد سمجھو۔ مَیں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تمھارے دکھوں کا دُور کرنا میرے اختیار میں ہوا۔۔۔ تو مَیں اپنی جان تک دینے سے نہ ہچکچاؤں گا۔

شخص۔ لیکن میرا دل دُنیا سے بھر چکا ہے۔ اور اب مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ اس لئے آپ میرے پاس سے چلے جائیے

بکرم۔ مَیں نے تمھاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ مگر تم نے اسے ٹھکرا دیا۔

شخص۔ دُنیا میں کوئی کسی کا دوست نہیں۔ یہ ایک دھوکے کی ٹٹی ہے۔

بکرم۔ ایسا نہ کہو۔ پانچوں اُنگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ جہاں بُرے ہیں وہیں اچھے

بھی موجود ہیں۔

شخص۔ ہوں گے۔ پر مَیں اب کسی کو اچھا نہیں سمجھتا۔ اور اسی لئے اِس دُنیا سے دور کسی اور جگہ جا رہا ہُوں۔ شاید وہاں کے رہنے والے کسی کا دل توڑنا بُرا سمجھتے ہوں۔

بکرم۔ ہوں۔ کم سے کم یہ تو بتا دو...... کہ تمھارا دل کس نے توڑا۔

شخص۔ مجھے کیسے یقین آئے۔

بکرم۔ یقین کر لو۔ مرد کی زبان ایک ہوتی ہے اور وہ جو کام بھی کرنے کا وعدہ کر لیتا ہے اسے پُورا کرتا ہے۔ اس لئے خودکشی کے ارادے کو دل سے نکال دو۔ اگر مرنا ہی ہے تو مردوں کی موت مرو۔ اور جو ارمان تمہارے دل میں ہے اسکے پُورا کرنے میں اپنی جان کی بازی لگا دو۔ تاکہ مرنے کے بعد دُنیا والے تمہیں بُزدل کہہ کر نہ پکاریں۔

شخص (کچھ سوچکر) اوہ۔ آپ نے میری آنکھیں کھولدیں۔ اب میں خودکشی نہیں کروں گا۔

بکرم۔ شاباش۔ لو اب بتاؤ تم کون ہو۔ کہاں کے رہنے والے ہو۔ اور تمھیں کس نے ستایا ہے۔

شخص۔ اب آپ سے کوئی بات نہیں چھپائی جا سکتی۔ سُنئے۔ مَیں راجہ جے پال کے دیوان منومت رائے کا بڑا لڑکا وکرم ہُوں۔

بکرم۔ (تعجب سے) تم منومت رائے کے بیٹے وکرم ہو۔

شخص۔ جی۔ کیا آپ اُنھیں جانتے ہیں۔

بکرم ۔ ہاں ۔ میں انھیں اچھی طرح سے جانتا ہوں ۔
شخص ۔ کیا آپ اپنا نام نہیں بتائیں گے ۔
بکرم ۔ کیوں نہیں ...... وکرم تم بکرم سے بات کر رہے ہو سمجھے نہیں ۔ میں راجہ
بکرما جیت ہوں ۔
شخص ۔ آپ راجہ بکرما جیت (تعجب سے) میرے ایشور ۔ یہ میں کیا سُن رہا ہوں ۔
بکرم ۔ جو میں نے کہا ۔ لیکن گھبراؤ نہیں ۔ میں جو وعدہ کر چکا ہوں اسے پورا کروں گا ۔
ہاں بتاؤ ۔ تم پر کیا مصیبت پڑی ۔
شخص ۔ شاید آپ کو معلوم ہو ۔ راجہ جے پال کے صرف ایک ھی لڑکی ہو ۔ راجکماری
"کسم لتا" ــــــ وہ اور میں بچپن میں ساتھ کھیلتے رہے ۔ دونوں جوان
ہونے کو آئے تو پتا جی کے کہنے سے مہاراج نے کسم لتا کی شادی میرے
ساتھ کر دینے کا وعدہ کر لیا ۔ ہم دونوں خوش تھے ۔ اور ایک سُہانا خواب
دیکھ رہے تھے کہ ایک دن کسم لتا کی ایک سہیلی میرے پاس آئی اور بولی :-
سہیلی ۔ وکرم جی ۔
شخص ۔ کیا ہو من سکھی ...... اری تو چُپ چُپ کیوں ہو ۔ بات تو کر ۔
سہیلی ۔ جی ...... مجھے ...... (ہلکے ہلکے روتی ہے)
شخص ۔ تو رو رہی ہو من سکھی ... جلد بتا تو کیا کہنا چاہتی ہو ۔
سہیلی ۔ جب میری راجکماری نے صبح سے روتے روتے بُرا حال بنا لیا ہو تو پھر میں
کیوں نہ روؤں ۔
سہیلی ۔ مگر کیوں آپکو ابھی معلوم ہو جائے گا ۔ سامنے باغ میں چلیئے .... راجکماری جی وہاں

آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔

شخص۔ ایشور خیر کرے (قریب پہنچکر) گستم ... خیر تو ہے۔

راجکماری۔ (بلکے بلکے روتی ہو)

شخص۔ تم بھی رو رہی ہو۔ جلد بتاؤ کیا بات ہے۔ ورنہ میں دیوانہ ہو جاؤں گا۔

راجکماری۔ آپ کو سُن کر رنج ہوگا۔

شخص۔ کس بات سے۔

راجکماری۔ پتا جی نے میرے متعلق جو فیصلہ کیا تھا .... اُسے بدل دیا گیا ہے۔

شخص۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو گستم۔ کیا یہ سچ ہے۔

راجکماری۔ ہاں۔ کل ہی پتا جی ماتا جی سے کہہ رہے تھے کہ راجہ کیشو مجھ سے بیاہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بہت بڑے راجہ ہیں۔ اس لئے پتا جی ان کی بات ٹالنا نہیں چاہتے۔

شخص (آہ بھر کر) یہ بات ہے۔ پر تمھارے لئے تو یہ خوشی کی بات ہے گستم۔ تم اتنے بڑے راجہ کی رانی کہلاؤ گی ..... میرا کیا ہے۔ میں پھر ایک وزیر کا بیٹا ہوں۔

راجکماری۔ دہکتی آگ پر تیل نہ چھڑکیے۔ میرے جو کچھ ہیں آپ ہیں۔ اب میں کسی دوسرے کی نہیں ہو سکتی۔

شخص۔ یہ تم کہہ رہی ہو گستم ..... پر شاید میرا دل رکھنے کے لئے۔

راجکماری۔ نہیں۔ آپ یقین جانیئے۔ میں آپ کو اپنا پتی مان چکی ہوں۔ اور اپنے پتی کے سامنے کوئی عورت جھُوٹ نہیں بول سکتی۔

شخص۔ تم نے وہ بات کہدی۔ جو تمھیں کہنی نہیں چاہیئے تھی۔

راجکماری۔ میں خوب سمجھتی ہوں کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا...... پتاجی اپنی بات رکھنے کے لیئے مجھ پر زور دیں گے۔ میں نہیں مانوں گی...... اور اگر انھوں نے میری مرضی کے خلاف میری شادی کرنی چاہی تو مجھے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے۔

شخص۔ تم جو کچھ کہہ رہی ہو اس پر مجھے یقین ہے کسم...... لیکن ایسے لفظ منہ سے نہ نکالو۔

راجکماری۔ تو میں اور کیا کر سکتی ہوں۔

شخص۔ مہارانی جی سے کہو کہ وہ مہاراج کو سمجھائیں۔ شاید وہ مان جائیں۔

راجکماری۔ اول تو ماتاجی کی اتنی ہمت ہی نہیں کہ پتاجی کے سامنے کچھ کہہ سکیں گی۔ اور اگر ایسا ہو بھی جائے تو پتاجی کبھی نہیں مانیں گے۔

شخص۔ کہہ کر تو دیکھو کسم...... مہاراج کو جب یہ معلوم ہو گا کہ راجکماری جان سے جا رہی ہو تو مجھے یقین ہو کہ وہ اس بات پر پھر غور کریں گے۔

راجکماری۔ اچھی بات ہو۔ میں پھر جاتی ہوں۔

راجہ۔ (غصے سے) یہ تم کیا کہہ رہی ہو رانی...... وہ کسم۔ جس کے منھ میں زبان نہیں تھی آج ایسے بے شرمی کے لفظ منھ سے نکال رہی ہو۔

رانی۔ مہاراج...... عورت جب مجبور ہو جاتی ہو تو اسے زبان کھولنی ہی پڑتی ہے۔ پہلے آپ نے ہی وکرم سے اس کی منگنی کی۔ وہ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے۔ انھیں یقین تھا کہ جلد ہی ان کی شادی ہو جائے گی۔ اب آپ چاہتے ہیں کہ راجہ کیتو سے کسم کی شادی ہو جائے وہ اس پر راضی نہیں ہو۔

راجہ۔ لیکن میں نے تو وعدہ کر لیا ہے۔ کیا تم چاہتی ہو کہ میں اپنی بات سے پھر جاؤں۔

رانی۔ کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑیگا ناتھ۔ میں نے اپنی بچّی کے طور دیکھ لئے ہیں (رو کر) وہ اپنی جان کھو دیگی۔ میری اکلوتی بچّی..... اسکے بعد میں کیسے زندہ رہ سکونگی۔

راجہ۔ (سوچ کر) سمجھ میں نہیں آتا کیا ہوگا۔ ادھر راجہ کی زبان جاتی ہے تو اُدھر راجکماری کی جان۔

رانی۔ کوئی ایسی ترکیب کیجئے کہ راجکماری کا دل بھی نہ ٹوٹے۔ اور آپ کی آن پر بھی دھبّہ نہ لگنے پائے۔

راجہ۔ ایسی کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی۔ دونوں میں سے ایک بات تو ضرور ہوگی۔ (افسوس کرتے ہوئے) کتنا اچّھا ہوتا کہ میں راجہ کیشو کی یہ بات نامنظور کر دیتا۔

رانی۔ میرے خیال میں تو اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ اگر آپ میری بتائی ہوئی بات پر عمل کریں.......... تو.......

راجہ۔ کیا تم نے کوئی ایسی بات سوچ لی ہے رانی۔

رانی۔ جی۔

راجہ۔ جلد بتاؤ وہ کیا ہے۔

رانی۔ آپ راجہ کیشو کو انکار لکھکر نہ بھیجیں۔ بلکہ یہ لکھکر بھیجیں کہ میں نے راجکماری کا رشتہ آپ کے ساتھ کرنا تو منظور کر ہی لیا ہے۔ لیکن آپ کو راجکماری کی دو شرطوں میں سے کوئی ایک شرط ضرور پوری کرنی ہوگی۔ اور وہ شرطیں یہ ہیں کہ یا تو درخت پر لٹکے ہوئے پنجرے میں بند ایک مینا کو نیچی نظریں کر کے اسکے عکس کو پانی میں دیکھکر تیر کا نشانہ بنایا جائے یا تیل کے کڑاؤ میں اشنان کر کے زندہ

باہر نکلا جائے مجھے یقین ہے کہ راجہ کیشو ان میں سے ایک بات بھی پوری نہ کر سکے گا۔ اور اس طرح آپ کی بات بھی رہ جائے گی۔

راجہ۔ یہ ترکیب تو بہت اچھی ہے۔

رانی۔ ساتھ ہی آپ یہ اعلان بھی کرا دیجئے کہ راجکماری کی شادی اس شخص سے کی جائیگی جو ان میں سے کوئی ایک شرط پوری کرے گا۔

راجہ۔ میں ایسا ہی کرونگا۔ تم نے میرے دل پر سے ایک بوجھ دور کر دیا ہے رانی۔ اس طرح ہماری ہی بات اونچی رہے گی۔

بکرم۔ اب میں سمجھا کہ تم کس لئے اپنی جان کھو رہے تھے۔

شخص۔ سوچئے تو سہی مہاراج۔ اتنی کڑی شرطیں کون پوری کر سکتا ہے۔ یہ صرف راجہ کیشو ہی سے انکار نہیں کیا گیا۔ بلکہ مجھے بھی صاف جواب دیدیا گیا ہے ادھر کسم رو رو کر اپنی جان کھو رہی ہے۔ اور یہاں میں......

بکرم۔ نہ گھبراؤ وکرم...... ایشور نے چاہا تو بکرم تم دونوں کے دل کا چاہا پورا کریگا۔

شخص۔ میں جانتا ہوں مہاراج کہ آپ تیر انداز ضرور ہیں لیکن کسی چیز کو بغیر دیکھے کس طرح نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ دوسری شرط کھولتے ہوئے تیل میں اشنان کرنا جو کسی صورت میں بھی پوری نہیں ہو سکتی۔

بکرم۔ ایشور کو سب آسان ہے۔ تم میرے ساتھ چلو اور میرے مرنیکا خیال دل سے نکال دو۔

شخص۔ مگر شرط پوری ہونے کی صورت میں تو راجکماری آپ کی ہو جائے گی۔

بکرم۔ راجکماری میری ضرور ہو جائے۔ لیکن میں اُسے ایسی ہی سمجھوں گا جیسے ایک باپ کے لئے بیٹی۔ میں اُس کی شادی تمہارے ساتھ کر دوں گا۔

شخص۔ (خوش ہو کر) کیا جو کچھ میں سن رہا ہوں.... یہ پورا ہو سکتا ہے مہاراج۔ اوہ.... وہ دن بھی کتنا اچھا ہو گا جب کسم میری ہو جائے گی۔

پتلی۔ سُنا راجہ بھوج آپ نے... کس طرح ایک اَن ہونی بات کے پورا کرنے پر راجہ بکرماجیت نے کمر باندھی۔

بھوج۔ میں سن رہا ہوں پتلی۔ یہ بتاؤ۔ اس کے بعد کیا ہوا۔

پتلی۔ اسکے بعد راجہ بکرماجیت نے اپنا راج پاٹ دیوان کے سپرد کیا۔ اور خود وکرم کے ساتھ چل پڑے۔ چلتے چلتے ایک جنگل میں پہنچے۔ وہاں انھیں ایک آواز سنائی دی........

عورت۔ ہائے...... بچاؤ..... مجھے کوئی اس پاپی سے بچاؤ.....

بکرم۔ یہ کون مصیبت کا مارا پکار رہا ہے۔

وکرم۔ آواز سے عورت معلوم ہوتی ہے۔

عورت۔ دوڑو۔ مجھے اس راکشش کے ہاتھوں سے بچاؤ۔

بکرم۔ کوئی راکشش کسی عورت پر ظلم ڈھا رہا ہے میرے دوست تم یہیں ٹھیرو۔ میں ابھی آتا ہوں

وکرم۔ مگر میں آپ کو اکیلا نہ جانے دوں گا۔ جب آپ نے میری خاطر سب کچھ چھوڑ دیا تو مجھ سے یہ کبھی نہ دیکھا جائیگا کہ آپ ایک راکشش کے ساتھ اکیلے لڑنے کے لئے جائیں۔ میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ اور اگر آپ پر کوئی آنچ آتی

دکھائی دی تو اپنی جان کی بازی لڑا دوں گا۔

بگرم۔ خیر تم میرے ساتھ چل سکتے ہو۔ مگر میری اجازت کے بغیر تلوار کو میان سے باہر نہ نکالنا۔ جلدی چلو۔ باتوں میں وقت گنوانا ٹھیک نہیں.....

عورت۔ (چیخ کر) میں تیرا کہنا کبھی نہیں مان سکتی۔

راکشش۔ تجھے میرے ساتھ شادی کرنی ہوگی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہو۔

عورت۔ نہیں۔ میں مر جاؤں گی۔ مگر تیرے ساتھ شادی نہیں کروں گی۔

راکشش۔ دیکھوں گا۔ اب تجھے میرے ساتھ سے کون بچائیگا۔ کتنی مرتبہ سمجھایا۔ نرمی سے کام لیا۔ مگر بیوقوف لڑکی تو نے ہمیشہ میری محبت کو نفرت سے ٹھکرایا۔

عورت۔ اور میں کیا کر سکتی تھی۔ انسان اور راکشش کا کیا میل۔

راکشش (قہقہہ) اس کا جواب تجھے ابھی مل جائیگا۔

عورت۔ میں تیرے پاؤں پڑتی ہوں۔ مجھے چھوڑ دے۔ میرے ماں باپ میرے غم میں دیوانے ہو جائیں گے۔

راکشش۔ اس بات سے میرے دل کو اور بھی ٹھنڈک پہنچے گی۔ کیونکہ انھوں نے بھی میرا دل توڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی..... اچھا اب میں کچھ سننا نہیں چاہتا..... جواب دے مجھسے شادی کرنا چاہتی ہے یا نہیں۔

عورت۔ نہیں۔

راکشش۔ نہیں..... پھر وہی انکار۔

عورت۔ ایک بار نہیں ہزار بار۔

راکشش۔ اچھا تو مرنے کے لئے تیار ہو جا۔

بکرم۔ (دُور سے) ٹھیرو۔ ایک بے گناہ لڑکی کا خون بہانے سے پہلے تجھے ہم سے ٹکر لینی ہوگی۔

عورت۔ ایشور تیرا شکر ہے کہ تو نے میری لاج رکھنے کے لئے کسی کو بھیجا۔

راکشش۔ تم کون ہو۔

بکرم۔ مجھے یہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر یہ سمجھ لو کہ یا تو اس لڑکی کو چھوڑ دے ورنہ یاد رکھ کہ یہ تلوار تیرے جیسے سینکڑوں ظالموں کے سینے کے پار ہو چکی ہے۔

راکشش۔ چھوڑ دوں۔ پھنسا ہوا شکار ہاتھ سے جانے دوں۔ یُوں کیوں نہیں کہتا کہ اس کے ساتھ ہی تیرا آخری وقت بھی آن پہنچا ہے۔

بکرم۔ یہ ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔ نکالو تلوار۔

راکشش۔ یہ بات ہے۔ تو ہوشیار (تلواریں چلنے لگتی ہیں)

وکرم۔ مجھے اجازت دیجئے مہاراج کہ مَیں بھی اس پر وار کروں۔

بکرم۔ (لڑتے ہوئے) نہیں میرے دوست۔ تم گھبراؤ نہیں۔ مَیں سچائی پر ہوں اور سچا ہمیشہ کامیاب ہوا کرتا ہے۔

عورت۔ (تعجب سے) مہاراج ۔۔؟ نہ جانے کونسے مہاراج ہیں یہ ...... پر بڑے نیک ہیں۔ ایشور ان کی مدد کیجیو۔

راکشش۔ (لڑتے ہوئے) اب بھی تلوار ہاتھ سے پھینک دو۔ مَیں تمھیں یہاں سے بھاگنے کا موقع دوں گا۔

بکرم۔ کون بھاگتا ہے۔ اس کا فیصلہ ابھی ہوا جاتا ہے۔

راکشش۔ اچھا تو بچو...... (دو تین وار کرتا ہے)

بکرم۔ بس تو اب میرا وار ہو...... سنبھلو (کئی وار ہوتے ہیں)

راکشش (تلوار لگنے پر) آہ......

وکرم۔ وہ مارا۔

راکشش۔ ہائے.... ہائے......

عورت۔ ایشور تیرا شکر ہو..... آپنے مجھ پر بڑی مہربانی کی مہاراج۔ اگر آپ نہ آتے تو....

بکرم۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ یہ بتاؤ کہ تم کون ہو۔

عورت۔ میرے پتا کا نام گرو سومناتھ ہے۔ یہاں سے کچھ دُوران پہاڑیوں کے نیچے ان کا مندر ہو۔ یہ راکشش مجھے آتے جاتے دیکھا کرتا تھا۔ کئی مرتبہ پتاجی سے اُس نے یہ بھی کہا کہ وہ اس کے ساتھ میری شادی کر دیں۔ پتاجی نے اُس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ آج میں اپنے باغ میں پھول توڑ رہی تھی کہ یہ چپکے سے مجھے اُٹھا کر یہاں لے آیا۔

بکرم۔ ہم سمجھے..... آؤ تمھیں تمھارے پتا کے پاس پہنچا آئیں۔ (وقفہ)

گرو۔ میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں بکرم۔ آج تم نے نہ صرف میری شیلا کی زندگی بچائی بلکہ ہمارے خاندان کی عزت کو بچایا۔

بکرم۔ یہ میرا فرض تھا مہاراج۔ جو میں نے ادا کیا۔

گرو۔ بیشک۔ انسان کو ایسا ہی سوچنا چاہیئے۔ مگر مجھے تو کہنا ہی پڑتا ہے کہ تم نے بہت بڑا کام کیا ہو۔ اور اس حالت میں جب کہ تم ...... کیا نام بتایا تم نے اپنی ساتھی کا۔

بکرم۔ وکرم ....

گرو - وکرم کی مدد کرنے کے لئے ایک آن ہونی بات کو پورا کرنے کے لئے جا رہی ہو۔

وکرم - جی مہاراج -

بکرم - اچھا اجازت دیجئے - اگر زندہ بچے تو اسی راستے سے واپس آئیں گے - اور آپ کے درشن کریں گے -

گرو - ایشور نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا - تم یہ میری نشانی لیتے جاؤ - لو یہ انگوٹھی ہے اس کو پہنکر کھولتے ہوئے تیل کے کڑھاؤ میں کود پڑنا - تم پر آگ کا کوئی اثر نہ ہوگا -

بکرم - اوہ ...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں - اس کا مطلب تو یہ ہوا ...... کہ میرے دوست وکرم کا چاہا خود بخود پورا ہونے والا ہے -

گرو - ایشور جو کرے گا اچھا ہی کرے گا -

بکرم - تو پھر ہمیں فوراً ہی وہاں پہنچنا چاہیئے - آؤ وکرم (گھوڑے دوڑا دئیے جاتے ہیں)

پتلی ---- دیکھا تم نے راجہ بھوج - ایک بھلائی کا بدلہ تو نہیں ملا - اس کے بعد وہ راجہ جے پال کے دربار میں پہنچے -

وزیر - آپ سب خاموش ہو جائیں - مہاراجہ جے پال تشریف لا رہے ہیں -

آواز - مہاراج جے پال کی جے - مہاراج جے پال کی جے -

جے پال - دیوان جی - سب لوگوں کو ایک بار اور راجکماری کے سوئمبر کی شرطیں سُنا دی جائیں -

وزیر - خاموش ہو جاؤ - اور وہ شرطیں جو سوئمبر میں شامل ہونے والے کو پوری کرنی ضروری ہیں - انھیں غور سے سُنو - شرطیں یہ ہیں - کہ یا تو وہ پنجرہ جو

سامنے درخت پر لٹکا ہوا ہی اس کی مینا کو نظریں نیچی کرکے اس کا عکس پانی میں دیکھکر تیر کا نشانہ بنایا جائے۔ ورنہ کھولتے ہوئے تیل کے اس کڑھائی میں اشنان کرکے زندہ سلامت باہر نکلا جائے۔ اب جس کی مرضی ہو آئے اور اپنا حوصلہ دکھائے (دَفعہ) تو کیا مہاراج اس بات کا یقین کرلیں کہ یہاں کوئی شخص اپنا بہادر نہیں ہے۔

بکرم۔ (آہستہ سے) وکرم تم یہیں ٹھیرو۔ مَیں اپنا کام کروں گا (آگے بڑھ کر) میں مہاراج کی یہ شرط پوری کرنے کے لئے تیار ہوں۔

جے پال۔ اس شخص کو بلایا جائے۔

وزیر۔ مہاراج کے قریب آجاؤ۔

جے پال۔ تمھیں معلوم ہو کہ پہلی شرط کے پورا نہ ہونے پر تمھیں دوسری شرط پوری کرنیکے لئے تیل کے کڑھاؤ میں کودنا ہوگا۔ اس صورت میں تمھاری موت یقینی ہی

بکرم۔ کوئی پرواہ نہیں مہاراج۔ مَیں پہلی نہیں بلکہ جس شرط کو آپ زیادہ مشکل سمجھتے ہیں اسی کو پورا کروں گا۔

جے پال۔ کیا تیل کے کڑھاؤ میں نہانے کے بعد تم واپس نکل آؤ گے۔

بکرم۔ جی۔ امید تو ایسی ھی ہے۔

جے پال۔ تو پھر راجکماری بھی تمھاری ہو جائے گی۔

بکرم۔ ایسا نہیں۔ یوں کہیے کہ راجکماری کو مَیں جیت لوں گا۔

جے پال۔ ہمارے کہنے کا بھی یہی مطلب ہی۔

وزیر۔ اچھا۔ تیل پک رہا ہی۔ اس میں کود کر اپنی قسمت کا فیصلہ کرلو۔ راستہ چھوڑ دو۔

بجرم۔ سچے مالک۔ زندگی اور موت تیرے ہاتھ میں ہو۔ مجھے اپنی زندگی کی کوئی پروا
نہیں۔ جلتے تیل میں نہاکر جینا چاہتا ہوں۔ اپنے لئے نہیں، دوسرے کے
لئے۔ اگر میں جیتا نہ بچا تو میرے دوست وکرم کا دل ٹوٹ جائیگا۔ اسلئے
میری مدد کر (وہ تیل میں کود پڑتا ہی)

وزیر۔ ہیں...... ابھی تک آگ نے اس پر اثر نہیں کیا۔

جے پال۔ عجیب بات ہی۔ ابھی تک زندہ ہی۔

بجرم۔ (دور) ایشور میں سب طاقت ہی مہاراج۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

جے پال۔ انھیں فوراً باہر نکال لیا جائے۔

وزیر۔ جو حکم مہاراج۔

جے پال۔ بہادر شخص۔ راجکماری کسم اب تمھاری ہی۔

بجرم۔ جی ہاں۔ لیکن میں نے راجکماری کو جیتا ہی۔ اس لئے میں اس کا مالک بنکر
اپنے ایک دوست سے اس کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔

وزیر۔ یہ کیسے ہوسکتا ہی۔

جے پال۔ ہوسکتا ہی۔ کسم کے مالک اب یہ ہیں۔ اور ان کی مرضی ہے جس سے چاہیں
اس کی شادی کریں۔

وزیر۔ مہاراج۔

بجرم۔ آپ گھبرائیں نہیں دیوان جی۔ راجکماری کسم آپکے گھر میں ھی رہے گی۔

وزیر۔ یعنی۔

بجرم۔ یہی کہ اس کی شادی آپ کے بیٹے وکرم سے ہو گی۔ میں نے اس سے وعدہ

کر لیا تھا۔ اور اب یہ وعدہ پورا کرتا ہوں (آواز دیتا ہے) وکرم۔ ادھر آؤ
وزیر۔ میرا بچہ وکرم ..... وہ کہاں ہے۔
وکرم (قریب آکر) پتا جی پرنام۔
جے پال۔ وکرم .... وہی ہوا ..... جو ہم چاہتے تھے (بیٹی سے) کسُم
کسُم۔ پتا جی۔
جے پال۔ اس بہادر شخص کے پاس جاکر کھڑی ہو جاؤ۔ اور جس طرح یہ کہیں کرو۔
کسُم (قریب آکر) جی .... فرمائیے۔
بکرم۔ اپنے بچپن کے منگیتر وکرم کے گلے میں مالا پہنا دو۔
وکرم۔ اوہ آپ کتنے نیک ہیں مہاراج۔
جے پال۔ یہ تم نے کیا کہا ..... مہاراج .... کیا یہ بھی کہیں کے راجہ ہیں۔
وکرم۔ راجہ ہی نہیں، راجوں کے مہاراج بکرما جیت ہیں۔
جے پال (تعجب سے) مہاراجہ بکرما جیت۔ مہاراج مجھے مُعاف کرنا۔
وزیر۔ مہاراجہ بکرما جیت کی جے۔
آواز۔ مہاراجہ بکرما جیت کی جے۔
پُتلی۔ سُنا آپ نے راجہ بھوج۔ دوسروں کی اس طرح مدد کی جاتی ہے۔
بھوج۔ بیشک۔ میں نے اس طرح کبھی کسی کی مدد نہیں کی۔
پُتلی۔ تو پھر آپ ہی بتائیے کہ آپکو راجہ بکرما جیت کے اس تخت پر بیٹھنے کا کیا حق ہے۔
بھوج۔ دیوان جی۔ آج بھی ہم پتلی کی بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اسلئے
تخت پر نہیں بیٹھیں گے ....

تیسرا باب

راجہ بکرماجیت

پہلے دو ڈراموں میں آپ سُن چکے ہیں کہ کس طرح راجہ بھوج کے عہد میں کسان نے کھیرے بوئے۔ ان کی رکھوالی کے لئے اُس نے وہاں ایک مچان تیار کی۔ اور جب وہ اُس پر چڑھتا تو اس کا دماغ خراب ہو جاتا اور وہ راجہ بھوج کو بُرا بھلا کہنے لگتا نجومیوں وغیرہ کے کہنے سے اس جگہ کو کھُدوایا گیا تو وہاں سے ایک خوبصورت تخت نکلا جس پر بہت سی پُتلیاں بنی ہوئی تھیں۔ راجہ بھوج نے جب اس تخت پر بیٹھنا چاہا تو وہ پتلیاں یکایک بولنے لگیں اور تخت پر بیٹھنے سے روکا جب سبب پُوچھا گیا تو ایک پتلی نے راجہ بھوج کو راجہ بکرماجیت سے کم تر بتایا۔ اور یہ کہا کہ وہ اس لئے اس تخت پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہیں۔ اسی طرح تین مرتبہ راجہ بھوج نے تخت پر بیٹھنے کا قصد کیا مگر ہر مرتبہ ایک نہ ایک پتلی راجہ بکرماجیت کی بڑائی کرتی اور راجہ بھوج لاجواب ہو کر تخت پر بیٹھنے سے باز رہتے۔ چوتھی مرتبہ راجہ بھوج نے

پکا ارادہ کر لیا کہ وہ اس تخت پر ضرور بیٹھیں گے۔ چنانچہ وقت سے پہلے ہی سب امیر اور وزیر اس جگہ جمع ہو گئے جہاں وہ تخت رکھا ہوا تھا ......

دیوان۔ راستہ چھوڑ دو ...... مہاراج تشریف لا رہے ہیں۔

آواز۔ مہاراجہ بھوج کی جے ہو۔

دیوان۔ آئیے مہاراج۔ تخت پر تشریف رکھئے۔

آواز۔ ساری رعایا بےچین ہے کہ مہاراج کب اس تخت پر بیٹھ کر اس کی رونق کو بڑھاتے ہیں۔

راجہ بھوج۔ ان سے کہو ہم ان کا چاہا پورا کریں گے۔

دیوان۔ تو مہاراج ..... قدم بڑھائیے۔

بھوج۔ (کچھ آگے بڑھتا ہے) اچھا ......

پتلیاں۔ ہنس پڑتی ہیں۔

ایک پتلی۔ میں سمجھتی تھی کہ راجہ بھوج اب تو عقل سے کام لیں گے۔ لیکن میرا یہ خیال غلط نکلا۔

دیوان۔ خاموش رہو۔ تمہاری بدزبانی حد سے بڑھتی جا رہی ہے۔

پتلی۔ لیکن تمہاری نادانی سے کم۔ مجھ سے پہلے میری سہیلیاں راجہ بھوج کو لاجواب کر چکی تھیں۔ اسی بنا پر یہ یقین ہو چلا تھا کہ شاید اس تخت پر قدم رکھنے کی اب جرأت نہیں کی جائے گی۔ مگر ایسا نہ ہوا۔

بھوج۔ تمہارا خیال غلط ہے کہ ہم ناانصاف ہیں۔ جب تک تم اپنی باتوں سے لاجواب کرتی رہیں۔ ہم نے تخت پر قدم نہ رکھا۔ مگر اب کون سی ایسی بات باقی رہ گئی

ہے جو راجہ بکرماجیت میں تھی اور مجھ میں نہیں ہے۔

پُتلی۔ ابھی تو کئی باتیں ایسی باقی ہیں۔

بھوج۔ بھلا میں بھی تو سنوں وہ کونسی باتیں ہیں۔

پُتلی۔ سُنئے۔ ایک دفعہ کسی خوشی کے موقع پر راجہ بکرماجیت نے اپنی رعایا کے ہر غریب آدمی کو خوش کرنے کی کوشش کی۔ اور انہوں نے اپنے خیال میں اتنی خیرات کی کہ جس سے ہر شخص نہال ہو جائے۔ لیکن راجہ بکرماجیت نے اطمینان کرنے کے لئے اپنے دیوان کو ساتھ لیا۔ اور رات کے وقت گشت کرنے نکل گئے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ آیا ان کے اس دان پُن سے لوگ خوش ہیں یا نہیں۔

بھوج۔ ہُوں۔

پُتلی۔ چنانچہ جسوقت وہ ایک ریتلے میدان کے نزدیک پہنچے تو انہوں نے دیکھا

بھوج۔ کیا دیکھا ؟

پُتلی۔ ایک شخص سر جھکائے اُداس اور غمگین بیٹھا ہوا تھا اور اپنی قسمت کو رو رہا تھا۔ انھیں اس بات سے بہت رنج پہنچا اور اپنے دیوان سے کہنے لگے۔

بکرماجیت۔ میرا خیال غلط نکلا دیوان جی۔ میں سمجھا تھا کہ آج میری رعایا میں کوئی بھی غمگین نہ ہوگا۔ اور راج کی طرف سے جو کچھ بانٹا گیا ہے اُس پر خوش ہوگا مگر ایسا نہیں ہے۔

دیوان۔ عجیب بات ہے ورنہ آج تو ہم نے ہر شخص کو ہنستا ہوا پایا ہے۔

بکرم۔ ہمیں اسکے پاس پہنچکر دُکھ درد معلوم کرنا چاہیئے۔ ورنہ ہمیں یقین ہو جائیگا کہ

ہم نے جو کچھ کیا ہو وہ فضول تھا۔

دیوان۔ جو مہاراج کا حکم ہو۔ آئیے ...... (دونوں اُسکے قریب پہنچ جاتے ہیں)

لکڑ ہارا۔ (آہ بھرتا ہے)

بکرم۔ (قریب آکر) کیا میں تم سے یہ پوچھ سکتا ہوں کہ تم کون ہو۔

لکڑ ہارا۔ ایک غریب جس کا دنیا میں کوئی ساتھی نہیں۔

بکرم۔ بہت ستائے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔

لکڑ ہارا۔ اتنا زیادہ کہ اب ہر نئی مصیبت کو برداشت کر لیتا ہوں۔

بکرم۔ میرے دوست تم کون ہو۔ کہاں کے رہنے والے ہو۔ اور تمھیں کس مصیبت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو۔ یہ سب باتیں واضح طور پر بتاؤ۔

لکڑ ہارا۔ (غم کی ہنسی ہنسکر) سب کچھ بتا سکتا ہوں مگر یہی تینوں باتیں نہیں بتا سکتا

بکرم۔ غریب ضرور ہو۔ مگر تمھارے چہرے سے شرافت ٹپکتی ہو۔ اور پھر نوجوان بھی ہو۔ اس لئے طبیعت میں ضد کا پایا جانا بھی ضروری ہے مگر اس ضد سے میرے دل میں تمھارا بھید معلوم کرنیکا جوش بڑھتا جا رہا ہو۔

دیوان۔ بتادو اچھے آدمی۔ ہم کوشش کریں گے کہ تمہارا رنج دُور ہو جائے۔

لکڑ ہارا۔ دنیا کی کوئی طاقت میرے رنج کو دُور نہیں کر سکتی۔ اسلئے بتانا بیکار ہو۔

بکرم۔ یہی بتادو کہ تم کیا کام کرتے ہو۔

لکڑ ہارا۔ اب ایک لکڑ ہارا ہوں۔ لکڑیاں کاٹتا ہوں۔ یہ رہی میری کلہاڑی جو مجھکو بہت پیاری ہو۔ کیونکہ شاید کسی دن یہ میری زندگی کے مُرجھائے ہوئے پودے کو بھی مصیبت سے چھٹکارا دے گی۔

دیوان۔ دیوانوں کی سی باتیں نہ کرو۔

لکڑہارا۔ میں تو ہوں ہی دیوانہ۔ پاگل۔ تم بھی پاگل ہو۔ دُنیا بھی پاگل ہے ...... نہیں ہی تو میری شیلا۔ اُف ..... تم نے مجھے باتوں میں لگا لیا۔ لکڑیاں کاٹنے کا وقت آگیا۔ میں جاتا ہوں (بھاگتا ہی)

بکرم۔ بہت زیادہ رنج اُٹھائے ہوئے ہی۔ مگر شیلا کے لئے۔ ہو سکتا ہو کہ صرف شیلا ہی کی محبت نے اسکے دل اور دماغ دونوں کو بیکار کر دیا ہو۔ آؤ پھر اس کے پاس چلیں (دونوں چلتے ہیں)

دیوان۔ (حیرت سے) ٹھہریے مہاراج۔

بکرم۔ کیا ہُوا۔ کہیں وہ دُور نہ چلا جائے۔

دیوان۔ یہ اس کے پیروں کے نشان ہیں۔ اور چاند کی روشنی میں صاف دکھائی دے رہے ہیں۔

بکرم۔ آخر زمین پر ہی چلکر تو گیا ہی۔ نشان پڑنے ضروری ہیں۔

دیوان۔ بیشک۔ مگر اس شخص پر مجھے کچھ اور ہی شبہ ہو چلا ہی۔ اگر میرا علم غلط نہیں ہو تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ بھی کوئی بھکاری نہیں، راجہ ہی۔

بکرم۔ راجہ ...... وہ کیسے۔

دیوان۔ اس نشان پر ایک چاند کا سا نشان دکھائی دیتا ہی۔ اور یہ چاند کا نشان کبھی کبھی صرف راجاؤں کے تلوؤں پر دکھائی دیتا ہی۔

بکرم۔ تعجب ہی۔ اس طرح سے اب ہمیں اور زیادہ اس معاملے کی چھان بین کرنی ہوگی۔ ویسے وہ کچھ دُور بھی نہیں ہی

دیوان۔ جی مہاراج۔ وہ سامنے ہی جاکر بیٹھ گیا ہے۔

بکرم۔ آؤ وہیں چلیں (دونوں قریب جاتے ہیں)

لکڑہارا۔ تم پھر آگئے۔ آخر تم کیا چاہتے ہو۔ اگر میری جان لینا منظور ہے تو لو اُتار لو تلوار سے میری گردن۔

بکرم۔ ایسا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔ ہم یہاں کے راجہ ہیں۔ ہمارا کام گردن اتارنا نہیں، گردن چھُڑانا ہے۔

لکڑہارا۔ تم اور ...... راجہ۔

بکرم۔ ہاں۔ میں راجہ بکرماجیت ہوں۔ اور سُنو۔ مجھے یہ اچھی طرح سے معلوم ہوگیا ہے کہ تم بھی میری طرح ......

لکڑہارا۔ نہیں نہیں۔ جس نے تم سے کہا غلط کہا۔ میں راجہ نہیں ہوں۔ میں تو ایک

بکرم (ہنستے ہوئے) تم راجہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ستائے ہوئے انسان بھی ہو۔ اب جھوٹ بولنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تمھارا دل جس بات کو چھُپانا چاہتا ہے نگاہ اسے صاف طور پر ظاہر کر رہی ہے۔ اس لئے سچ سچ بتادو۔ ممکن ہے بکرم تمھاری کچھ مدد کر سکے۔ ہاں کہو۔

لکڑہارا۔ کیوں رنج اُٹھانا چاہتے ہو راجہ بکرماجیت۔ راجہ سمیر سنگھ کی بات سُن کر۔

بکرم۔ تم راجہ سمیر ہو۔ سیتا پور کے راجہ۔ مگر وہ تو سُنا تھا دریا میں ڈُوب گئے۔

لکڑہارا۔ ڈوبنا چاہتا تھا۔ مگر بچ گیا۔ کئی مرتبہ اور طریقوں سے بھی مرنا چاہا، پر موت نہ آئی۔

بکرم۔ آخر تم اپنی زندگی کیوں ختم کرنا چاہتے ہو۔

لکڑ ہارا۔ شاید تمھیں معلوم نہیں۔ مجھے راجکماری شیلا سے محبت ہے۔ میری طرح اور بھی بہت سی راجہ اس کے نام کی مالا جپتے تھے۔ مگر جس طرح مجھے شیلا سے پریم تھا، وہ مجھ سے پریم کرتی تھی اور آخر شیلا نے اپنے پتا راجہ رام داس سے صاف کہہ دیا کہ وہ سیتا پور کی رانی بنے گی۔ چنانچہ ہم دونوں کا بیاہ ہو گیا۔ اور میں اُسے وداع کر کے اپنے راج کی طرف چلا۔

بجرم۔ پھر کیا ہوا۔

لکڑ ہارا۔ شاید میں نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ کئی راکشس بھی شیلا سے محبت کرتے تھے۔ انھیں یہ بہت بُرا معلوم ہوا اور انکا سردار ہماری تاک میں لگ گیا جس وقت ہم گنگا پار کر کے ایک گھنے جنگل میں پہنچے یکایک زور کی آندھی آئی .... ایک طوفان ....

راجہ۔ اُف۔ کتنے زور کی آندھی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ہم سب اُڑ جائیں گے۔

آواز۔ گھوڑوں سے اُتر جاؤ۔ اور پالکیاں بھی رُکوا دو۔ آندھی کے بعد سفر ہوگا۔

(دُور سے کچھ شور و شر کی آوازیں آتی ہیں)

راجہ۔ یہ کیسی آوازیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کچھ آدمی اس طرف چلے آ رہے ہیں۔

آواز۔ راکشش معلوم ہوتے ہیں مہاراج۔

راجہ۔ وہی ہیں..... بہادرو، تلواریں میان سے باہر نکال لو۔ ضرور یہ کسی بُرے ارادے سے آئے ہیں (شور و شر اور بڑھ جاتا ہے)

راکشش۔ مارو...... گھیر لو...... بھاگ کر جانے نہ پائیں۔

راجہ۔ خبردار جو قدم آگے بڑھایا تو...... کون ہو تم۔

راکشش۔ جنہیں تم نے راکشش کہکر ٹھکرایا۔ ہم وہ ہیں۔ راکششوں کا سردار
جس عورت سے پریم کرے، تم اسے اپنی رانی بنا کر لیجاؤ۔ (مکروہ ہنسی)
ہاہاہا۔

راکشش ۲۔ اب خیریت اسی میں ہو کہ ڈولا جو تم اپنے ساتھ لئے جا رہے ہو ہمارے
حوالے کر دو۔ ورنہ مرنے کے لئے تیار رہو جاؤ۔

راجہ۔ ہمارے جیتے جی ایسا ہو جائے یہ ناممکن بات ہو۔ بہادرو۔ مرجانا مگر آن
پر دھبہ نہ آنے دینا۔ (تلواریں چلنے لگتی ہیں)

شیلا۔ میرے ایشور اب کیا ہوگا۔

سہیلی۔ نہ گھبرائیے راجکماری جی۔ ہمارے سپاہی راکششوں کا برابر مقابلہ کر رہے ہیں

شیلا۔ پر اب تک کتنے مر چکے ہیں یہ نہیں دیکھتی .... انسانوں اور راکششوں کا
کیا مقابلہ۔

سہیلی۔ یہ سب ....

شیلا۔ میرے لئے ہے کہ میں ان کے سردار کی رانی کیوں نہ بنی۔ خیر کوئی
پرواہ نہیں۔ مہاراج سے میرے لئے تلوار مانگ کر لاؤ۔ جہاں میرے
اور ساتھی مارے گئے ہیں، میں بھی لڑکر اپنی جان دوں گی۔ مگر ان کے
ساتھ نہ جاؤں گی۔ جلدی کرو۔ راکشش ہماری طرف بڑھے چلے آرہے ہیں

سہیلی۔ لاتی ہوں۔

راکشش۔ وہ رہی شیلا اس پالکی میں۔ فوراً جاکر اسے پکڑ لاؤ۔

۲۔ ابھی لایا۔

راکشش۔ اور دیکھو...... ہم یہاں لڑتے رہیں گے۔ تم اسے اُٹھاکر پہاڑ کی کوہ میں لے جانا۔

شیلا (چلاّکر) مجھے بچائیے سوامی ...... یہ راکشش میرے قریب آگئے ہیں

راجہ۔ مَیں ابھی آیا۔

شیلا۔ جلدی آئیے یا اپنی تلوار مجھے دیجئے تاکہ میں اُن کے ہاتھوں میں پڑنے سے پہلے اس تلوار سے خود اپنا کام تمام کرلُوں۔

راکشش (چلاّکر) دیکھو شیلا مرنے نہ پائے (راجہ سے) کدھر جاتے ہو۔ ادھر کا خیال ہٹادو۔ میری تلوار جو تمہارا راستہ روکے ہوئے ہے۔ یہ تمہیں وہاں نہیں پہنچنے دے گی۔

راجہ۔ تو پہلے تمہارا ہی قصّہ پاک کرتا ہوں۔ (لڑتا ہے)

راکشش (ہنسکر) اور زور سے وار کرو (لڑنا)

شیلا (دُور سے چلاّکر) بچاؤ...... مجھے ان راکششوں کے ہاتھوں سے بچاؤ۔

راکشش۔ لیجاؤ اسے۔ شاباش۔ (لڑتے ہوئے) راجہ سمیر ہم جو چاہتے تھے وہ ہوگیا۔ تمہارے سب آدمی ٹھکانے لگ چکے ہیں۔ تمہیں بھی موت کے گھاٹ اُتارنا کوئی مشکل بات نہیں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ تم زندہ رہو اور ہمیشہ کے لئے اس بے عزّتی کی آگ میں جلتے رہو۔ کیوں کہ تم میری بے عزّتی کرنا چاہتے تھے۔

راجہ۔ ٹھیرو۔ مجھ سے لڑو۔ مَیں زندہ رہنا نہیں چاہتا۔

راکشش۔ تو میری تلوار کو کیوں بدنام کرتے ہو۔ وہ دریا بہ رہا ہے اسمیں ڈُوب مرو۔

(گھوڑوں کو بھگا کر لیجاتا ہے۔ ہلکے ہلکے لڑائی کا شور ختم ہو جاتا ہے)

بکرم۔ بڑی دُکھ بھری کہانی ہے تمہاری راجہ سمیر۔
لکڑ ہارا۔ کہتے ہوئے بھی کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ اس کے بعد وہ چلے گئے۔ ایک دو کے علاوہ میرے سب ساتھی مارے جا چکے تھے۔ ان کی تلوار نے جب میرا کام تمام نہ کیا تو میں نے خود اپنی جان کھونے کا فیصلہ کر لیا۔ دریا میں کود پڑا۔ مگر وہ بہاؤ پر تھا کچھ دُور بہنے کے بعد لوگوں نے مجھے باہر نکال لیا۔ اور میں زندہ ہی رہا۔ مگر اب میں کس مُنہ سے اپنے راج میں واپس جاتا سب کچھ چھوڑ دیا اور جنگل کی راہ لی۔ اب ہر وقت اسے یاد کر کے روتا رہتا ہوں اور جب بھوک ستاتی ہے تو لکڑیاں کاٹ کر اپنا گزارہ کرتا ہوں۔
بکرم۔ کتنی مصیبتیں اٹھائی ہیں تم نے، واقعی مر جاتے تو اچھا تھا۔ مگر میرا خیال ہے کہ شاید ابھی تم دنیا میں خوشی دیکھو گے۔ جب ہی جی رہے ہو۔ مگر یہ تو بتاؤ اسکے بعد تمہیں پھر کچھ معلوم نہیں ہوا۔
لکڑ ہارا۔ صرف اتنا کہ شیلا زندہ ہے مگر مردوں سے بُری حالت میں۔ مجھے اپنی زندگی کی تو کوئی پرواہی نہ تھی۔ اُس جنگل کا ایک ایک کونا میں نے چھان مارا۔ اور آخر ایک پہاڑ کی کھوہ میں اسے ڈھونڈھ ہی لیا۔ معلوم ہوا کہ شیلا قید میں ہے۔ روزانہ اسے سزا دیجاتی ہے کہ وہ اس راکشش سے شادی کرے۔ مگر اس نے صاف کہدیا ہے کہ اگر تم نے زبردستی ایسا کیا تو میں انگوٹھی کا ہیرا کھا کر مر جاؤں گی۔ راکشش اس کا مرنا پسند نہیں کرتا۔ اس لئے اسے قید کر رکھا

ہے کہ شاید وہ کبھی مان جائے۔

بکرم ۔ مجھے امید ہوتی جا رہی ہو کہ شاید پھر شیلا تمھاری ہو جائے گی۔

لکڑ ہارا ۔ وہ کیسے ۔ مجھے بتائیے۔

بکرم ۔ اِس کا جواب کافی سوچ بچار کے بعد دیا جائے گا۔ اب تم میرے ساتھ آؤ۔ اور جیسے میں کہتا ہوں کرو۔ اگر تم نے میرے کہنے پر عمل کیا تو تم شیلا کو دوبارہ پالوگے۔

لکڑ ہارا ۔ میں آپ کا ہر کہنا مانوں گا ۔ فرمائیے۔

بکرم ۔ بس یہی کہ فی الحال تم میرے ساتھ چلے چلو۔

بھوج اسکے بعد کیا ہوا پُتلی۔

پُتلی ۔ راجہ بکرماجیت اسے محلوں میں اپنے ساتھ لے آئے۔ اور یہ سوچتے رہے کہ راکششوں کو کیسے جیتا جا سکتا ہو۔

بھوج ۔ ٹھیک ہی ۔ انسان راکشش سے لڑائی میں نہیں جیت سکتا۔

پُتلی ۔ یہی بات وہ بھی کئی دن تک سوچتے رہے۔ آخر جب ان کا فکر بہت بڑھ گیا تو ان کے دیوان نے اُن سے کہا۔

دیوان ۔ مہاراج ۔ اب اس فکر کو اپنے سے دُور کر دیجیے۔

بکرم ۔ ایسا معلوم ہوتا ہو کہ یہ ہماری جان لیکر چھوڑے گا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے۔ تم نے سُنا ہو دیوان جی ۔ کہ کبھی کسی انسان نے راکشش پر فتح پائی ہو۔

دیوان - انسان نہ سہی - پر دیوتا تو ہمیشہ انھیں مٹاتے ہی رہے - اور جس انسان کا
دیوتاؤں نے ساتھ دیا - میں نے تو یہی پڑھا ہو مہاراج کہ اس انسان نے
بھی راکشسوں کو نیچا دکھایا -

بکرم - بیشک تمھاری بات ماننے والی ہو - مگر اس میں کس دیوتا سے مدد لیسکتے
ہیں - اور پھر دیوتا ہماری مدد کیوں کریں گے -

دیوان - ایسا نہ کہئے مہاراج - آپ جس دیوتا سے چاہیں مدد لے سکتے ہیں لیکن
ان کے نام کی یگیہ اور پوجا پاٹ کرنی ہوگی - میں نے کئی کتابوں میں پڑھا
ہے کہ سورج دیوتا جس پر مہربان ہو جائیں وہ راکشش کو نیچا دکھا سکتا ہو
اس لئے آپ ہون وغیرہ کیجیے - اور سوریہ دیوتا سے مدد مانگئے -

بکرم - مجھے تمہاری یہ بات منظور ہے - کل ہی سے ہون کی تیاریاں شروع
کردیجائیں اور جو چیزیں ضروری ہیں وہ سب پوری کیجائیں -

بھوج - تو اس طرح ہون وغیرہ کیئے گئے -

پتلی - جی ہاں - اور جب ہون پورا ہوگیا تو ایک روز راجہ بکرماجیت رات کو
سو رہے تھے کہ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ شیر دہاڑ رہا ہو -

سورج دیوتا - راجہ بکرماجیت - اُٹھ ..... تیرا ہون ہم نے قبول کیا -

بکرم (سوتے ہوئے) آپ کون ہیں مہاراج -

سورج - سوریہ دیوتا - ہمارے پاس آ - اور ہم سے وہ چیز لیجا جسکو پاس رکھنے سے
راکشش تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے -

بکرم۔ میں کتنا بھاگوان ہوں کہ مجھے آپ کے درشن ہوئے۔ مگر میں آپ کے پاس کیسے پہنچ سکتا ہوں۔

سورج۔ اپنے دیوان سے پوچھ۔ اور جس طرح وہ بتائے کر۔ (چھا رشیر کی سی دھاڑ)

بکرم۔ (نیند میں بڑبڑاتا ہے)

رانی۔ مہاراج ..... مہاراج ..... اُٹھئے۔

بکرم۔ کون ....

رانی۔ میں ہوں آپ کی رانی .....

بکرم۔ اوہ ...... رانی ......

رانی۔ جی۔ آپ کچھ ڈر سے گئے تھے۔

بکرم۔ ڈرا نہیں بلکہ خوش ہو رہا تھا۔

رانی۔ خوش ہو رہے تھے۔ وہ کیسے۔

بکرم۔ ہم نے خواب میں سوریہ دیو کے درشن کیئے رانی۔

رانی۔ اوہ سوریہ دیو کے درشن۔ تب تو سمجھئے کہ آپ کا ہون پورا ہو گیا۔

بکرم۔ معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے مگر ابھی مجھے کئی اور باتیں پوری کرنی ہیں۔ باندی کو بھیجکر دیوان جی کو فوراً بلاؤ ہمیں ان سے کئی باتیں معلوم کرنی ہیں۔

رانی (آواز دینا) باندی ..... دیوان جی کو فوراً بلا کر لاؤ۔ کہنا مہاراج یاد کر رہے ہیں۔

بکرم۔ رانی ہمیں شاید کچھ دن کے لئے باہر جانا پڑیگا۔ مگر تم فکر نہ کرنا۔

رانی۔ کیسے فکر نہ ہوگا مہاراج۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ ہر وقت آپکو دیکھتی رہوں

(کسی کے آنے کی آہٹ)

بکرم ۔ اور ہم کب نہیں چاہتے ۔ معلوم ہوتا ہے دیوان جی آ رہے ہیں ۔ اچھا تم یہیں ٹھیرو ۔ ہم دوسرے کمرے میں دیوان جی سے کچھ مشورہ کریں گے ۔

پُتلی ۔ چنانچہ راجہ بکرماجیت نے اپنا خواب دیوان جی کو سنایا ۔

بھوج ۔ ہُوں ......

پُتلی ...... اور سب باتوں پر سوچ بچار کرنے کے بعد دیوان نے ان سے کہا ۔

دیوان ۔ مہاراج ۔ جب یہ ہون شروع کیا گیا تھا ، میں سورج دیوتا کے متعلق اپنی معلومات بڑھا رہا تھا ۔

بکرم ۔ تو ہمیں بتاؤ کہ ان کے پاس کیسے ہماری پہنچ ہو سکتی ہے ۔

دیوان ۔ سُنیئے مہاراج ۔ دکن کی طرف وندھیاچل کے پہاڑوں میں ایک بن ہے جس میں ایک بہت بڑا تالاب ہے ۔ جب سورج نکلتا ہے تو اسی وقت تالاب کے بیچوں بیچ پانی میں سے ایک ستون نکلنا شروع ہوتا ہے ۔ جوں جوں سورج چڑھتا رہتا ہے ستون بھی بڑھتا رہتا ہے ۔ جب ٹھیک دوپہر کا وقت ہوتا ہے تو وہ ستون سورج کے رتھ کے برابر جا پہنچتا ہے ۔ وہاں سوریہ دیو کھانا کھاتے ہیں ۔ اس کے بعد رتھ چل پڑتا ہے اور وہ ستون بھی گھٹنا شروع ہو جاتا ہے ۔ یہاں تک کہ ادھر شام کے وقت سورج غروب ہو جاتا ہے اور ادھر یہ ستون تالاب کے پانی میں غائب ہو جاتا ہے ۔

بکرم ۔ اور ہم صرف اسی کے ذریعے سورج دیوتا کے پاس پہنچ سکتے ہیں ۔

دیوان ۔ مگر اس میں جان کا خطرہ ہے مہاراج ..... کیونکہ جوں جوں آپ سورج کے قریب پہنچتے جائیں گے، گرمی بڑھتی جائے گی ۔ یہاں تک کہ آخر آپ جلکر راکھ ہو جائیں گے ۔

بکرم ۔ کوئی پروا نہیں ۔ مگر میں ضرور جاؤں گا ۔ کیونکہ میں نے راجہ سمیر سے اسکی مشکل کو حل کرنے کا وعدہ کیا ہے

دیوان ۔ جیسی مہاراج کی مرضی ۔

بکرم ۔ اچھا تو ہم کل ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے ۔ کیونکہ جتنی جلدی یہ کام پورا ہو جائے اچھا ہے ۔

پتلی ۔ چنانچہ راجہ بکرماجیت نے صبح ہی صبح محلوں کو چھوڑا ۔ اور دیوان کے بتائے ہوئے تالاب کی طرف روانہ ہو گئے ۔ آپ نے سنا ہو گا راجہ بھوج کہ ڈھونڈنے سے ہر چیز مل جاتی ہے ۔

بھوج ۔ کیوں نہیں ۔ ایشور تک مل جاتا ہے ۔

پتلی ۔ انھوں نے بھی اس تالاب کا پتہ لگا لیا پہلے دن تو چھپ کر یہ وہاں کا حال دیکھتے رہے ۔ لیکن دوسرے دن جس جگہ سے وہ ستون نکلتا تھا اندھیرے منہ وہیں پہنچ گئے ۔ اور جوں ہی ستون پانی سے باہر نکلا اس پر بیٹھ گئے ۔ ستون بڑھتا جا رہا تھا (ایک گونج کے ساتھ) اور راجہ بکرماجیت بھی نظروں سے اوجھل ہوئے جا رہے تھے ۔ یہاں تک کہ وہ سورج کے قریب پہنچ گئے ۔ اب گرمی سے ان کا برا حال تھا ۔

بکرم - اُف ..... میں - مرا ..... مرا ..... پیاس ..... پانی ..... اوہ ..... مجھے بچاؤ - مگر کوئی پروا نہیں - میں (گھبرا کر) اپنے دوست کے کام آ رہا ہوں - اوہ ..... گرمی ..... آگ ..... کیا اچھا ہوتا کہ مرنے سے پہلے میں اپنے ہاتھوں اپنے دوست سمیر کا کام پورا کر چکا ہوتا ..... اوہ ..... میں جلا - آہ ..... ہائے ..... اوہ -

(پانچ سیکنڈ گونج - رتھ کے قریب آنے کی آواز - رتھ ٹھیر جاتا ہی)

رتھ بان - سورج مہاراج - ہم ستون کے قریب آپہنچے ہیں -

سورج (پہلے شیر کی دہاڑ) تو رتھ کو روک لو رتھ بان ..... یہ کیا ..... کوئی جلا ہوا انسان .....

رتھ بان - جی مہاراج ..... کوئی انسان ہی ہے ..... مہاراج تک آنے کی ہمت کی ہوگی - مگر جلکر راکھ ہو گیا ..... آپ کھانا کھائیے مہاراج -

سورج - ایک مرد کی راکھ پر شیر کھانا کھائے - ایسا کبھی نہیں ہو سکتا - اوہ ..... ہم سمجھے ..... جانتے ہو رتھ بان یہ کون ہیں -

رتھبان - نہیں مہاراج -

سورج - اس پر امرت چھڑک دو - زندہ ہو جائے گا - اسکے بعد تم خود معلوم کرلوگے کہ یہ کون ہے -

رتھبان - بہتر مہاراج (پانی چھڑکتا ہی)

بکرم - ایشور ..... ایشور ..... میں کہاں ہوں -

سورج - بکرم - تم جس کے پاس آنا چاہتے تھے - اسکے سامنے موجود ہو -

بکرم ۔ سورہ دیو کو میرا پرنام ۔
سورج ۔ خوش رہو ۔ اور سدا دوسروں کے کام آتے رہو ۔ ہم تم سے خوش ہوئے ۔
کیونکہ تمنے ہمارے پاس پہنچنے میں اپنی جان تک کی پروانہ کی ۔ مانگو کیا مانگتے ہو ۔
بکرم ۔ اتنا زور کہ راکشِشوں کو ہرا سکوں ۔
سورج ۔ ایسا ہی ہوگا ۔ ہماری طرف سے یہ تلوار لو ۔ جس راکشش پر وار کروگے
جلکر راکھ ہو جائے گا ۔ یہ ایک دیوتا کی دی ہوئی تلوار ہے ۔ راکشش
اس کا مُقابلہ نہ کر سکیں گے ۔
بکرم ۔ بس مہاراج ۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے ۔ میری محنت کا پھل مجھے مل گیا ۔
سورج ۔ اچھا تو ہم جاتے ہیں ۔ اور تم بھی زمین پر جاکر اپنا چاہا پُورا کرو ۔
رتھبان ..... رتھ آگے بڑھاؤ (گونج کیساتھ گاڑی روانہ ہوتی ہی)
بھوج ۔ اپنی جان دیکر دوسروں کی مدد کی ۔ واقعی بڑی بات ہی ۔ اسکے بعد کیا ہوا ۔
پتلی ۔ سنئے ۔ راجہ بکرماجیت نے راجہ سمیر کو اپنے ساتھ لیا ۔ اور فوراً راکششوں
سے بدلہ لینے کے لئے چل پڑے ۔ اُدھر راکِششوں کا سردار شیلا پر
بُری طرح ظلم ڈھا رہا تھا ۔
شیلا (روتے ہوئے) چاہے مجھے جان سے مار ڈال ۔ مگر مجھ سے یہ امید نہ رکھ
کہ میں تجھ سے شادی کر لُوں گی ۔
سردار ۔ بیوقوف لڑکی ۔ اِس خیال کو دل سے نکال دے کہ تیرا یہ رونا دھونا مجھ پر
کوئی اثر کر سکے گا ۔
شیلا ۔ کبھی نہیں ۔ کیوں کہ راکِششوں کا دل پتّھر کا ہوتا ہے ۔ اور یہ مجھے اچھی

طرح سے معلوم ہے پر تو بھی یہ اچھی طرح سے سمجھ لے کہ میں جیتے جی تیری نہیں ہو سکتی۔ مجھے جس کا ہونا تھا اس کی ہو چکی ہوں۔

سردار۔ پر اب اُسے بھول جا۔ وہ مر چکا۔

شیلا۔ کوئی پروا نہیں۔ اس کے مرنے کے بعد بھی میں اپنے آپ کو اُس کی سمجھتی رہوں گی۔

سردار۔ سمجھ گیا۔ سیدھی انگلیوں گھی نکلنے والا نہیں۔ اچھا بول مجھ سے شادی ...... یا ...... موت ...... دونوں میں سے کس چیز کو پسند کرتی ہو۔

شیلا۔ تیرے ساتھ شادی کرنے سے مرنا ہزار درجہ بہتر ہے۔

سردار۔ تو کیا شادی سے انکار ہے۔

شیلا۔ ایک بار نہیں، ہزار بار۔

سردار۔ اچھا تو مرنے کے لئے تیار ہو جا (اتنے میں شور بلند ہو جاتا ہے) یہ کیا شور ہے ......

(دوسرا راکشش بھاگ کر آتا ہے)

راکشش۔ مہاراج غضب ہو گیا۔ انسانوں نے ہم پر چڑھائی کر دی۔

سردار۔ انسانوں میں یہ ہمت نہیں کہ راکششوں کے مقابلے میں آئیں۔

راکشش۔ جی۔ راجہ سمیر بھی اُن کے ساتھ ہیں۔

سردار۔ اچھا۔ وہ ابھی تک زندہ ہے۔

شیلا۔ ایشور تیرا شکر ہے کہ وہ زندہ ہے۔

سردار۔ لیکن اب موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا۔ اور اسکے بعد تو بھی

اِس دنیا میں نہ ہوگی۔ (شور اور زیادہ ہو جاتا ہی)

راکشش۔ جلدی کیجیے، مہاراج۔ وہ یہاں تک آن پہنچے ہیں۔ راجہ بکرما جیت بھی
ان کے ساتھ ہیں۔

سردار۔ اخاہ۔ بکرم بھی ہے۔ تو یُوں کہو کہ شکار خود بخود آن پھنسا۔ ہم خود بکرم
کی تاک میں تھے۔ اب یہ یہاں سے بچ کر نہ جانے پائے گا۔ میری
تلوار اُٹھاؤ۔

راکشش۔ یہ لیجیے۔ اوہ.... مہاراج وہ تو خود یہیں آ پہنچے۔

سردار۔ (گرجکر) خبردار جو قدم آگے بڑھایا۔ تم ہی ہو راجہ بکرما جیت۔

بکرم۔ ہاں مجھے ہی تیری موت نے یہاں بُلایا ہی۔

لکڑہارا۔ (آگے بڑھ کر) یہی ہے وہ راکشش جس نے مجھے تباہ کیا۔

شیلا۔ (چلاکر) سوامی میں یہاں ہوں۔ مجھے بچاؤ۔

بکرم۔ نہ گھبراؤ بیٹی۔ اب یہ تمھارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا ظالم راکشش تلوار نکالو
اور مجھ سے مقابلہ کرو۔

سردار۔ پھونک سے اُڑ جانے والے انسان خیریت اسی میں ہی کہ فوراً یہاں سے
بھاگ جا۔ ورنہ یہیں پر ڈھیر کر دیا جائیگا۔ میں انسانوں سے تلوار کا
مقابلہ کرنا اپنی بے عزتی سمجھتا ہوں۔

بکرم۔ یہ مُقابلہ کرنے پر معلوم ہو جائے گا۔ اسی طرح تیرے اور سب ساتھی
بھی کہتے رہے ہیں۔

سردار۔ تو کیا انھوں نے تیرا مُقابلہ نہیں کیا۔

راکشش۔ نہیں مہاراج۔ وہ سب مارے چکے ہیں۔

سردار۔ یہ بات مجھے پہلے سے کیوں نہ بتائی۔ ہوشیار بکرم۔ (تلوار مارتا ہے)

بکرم۔ بس۔ اپنا ارمان پورا کر لیا۔ اب میرا وار ہے۔ خبردار۔ (تلوار چلاتا ہے)

سردار۔ آہ..... (شور و شر) آہ۔ آہ۔ (مر جاتا ہے)

بکرم۔ ظالم کو ظلم کا بدلہ مل گیا۔ راجہ بھیر تمھاری رانی تمھیں محبت کی نظروں سے دیکھ رہی ہے۔

شیلا۔ میرے پریتم.....

لکڑہارا۔ شیلا... میری شیلا... مہاراج آپ نے مجھ پر بڑی مہربانی کی۔

بکرم۔ سب ایشور کی مہربانی ہے میرے دوست۔ اچھا اب اپنے وطن چلنے کی تیاری کرو۔

پتلی۔ سُنا راجہ بھوج آپ نے... اب بتائیے۔ آپ نے کوئی ایسا کام کیا ہے اگر کیا ہے تو اس تخت پر قدم رکھئے۔ ورنہ واپس چلے جائیے۔

بھوج۔ راجہ بھوج جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا۔ چلو دیوان جی واپس چلو۔ ہم آج بھی پتلی کو ہرا نہ سکے۔ اور نہ اسی لئے آج پھر اس تخت پر نہیں بیٹھیں گے +

٤٨٦

ظہیر الدین بابر

راوی .... ہندوستان کے مغل بادشاہ بابر کا نام ظہیر الدین تھا یہ عمر شیخ کے بیٹے تھے۔ جو امیر تیمور کی اولاد میں سے تھے۔ بابر کے والد فرغانہ کے بادشاہ تھے۔ جو روسی ترکستان کا ایک حصہ ہے۔ آج سے کوئی ساڑھے چار سو برس پہلے جب کہ بابر کی عمر صرف بارہ برس کی تھی۔ ان کے والد کا سایہ سر پر سے اُٹھ گیا۔ بابر کا چچا خود سلطنت پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے بابر پر چڑھائی کر دی۔ بابر کو مقابلہ میں سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ اور جب اپنے ملک میں کسی طرح دال گلتی نظر نہ آئی تو کوئی دس برس تک جنگلوں کی خاک چھانتے پھرے۔ ایک دن ....

سردار۔ عالم پناہ۔

بابر۔ کیا کہنا چاہتے ہو بہادر سردار

سردار۔ اب حضور نے کیا سوچا ہے۔

بابر۔ تمھارا خیال ہے کہ بابر مصیبتوں سے پریشان ہوگیا ہے ہمنے مصیبتیں اُٹھائیں۔ دُکھ جھیلے مگر ہمیں ان کی کوئی پروا نہیں۔ یاد رکھو جب تک بابر کے دم میں دم ہے وہ برابر لڑے جائے گا۔ اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے گا جب تک کہ اس کا حق اسے واپس نہ ملجائے۔

سردار۔ حضور کے منہ سے یہ الفاظ کتنے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ خدا ہماری مدد کرے۔

بابر۔ خدا بہادروں کا ہمیشہ ساتھ دیتا ہے اور جن پر ظلم کیا جائے۔ جنکا حق مار لیا جائے، اُن کی مدد کرتا ہے۔ اس لئے ہمیں اس پر پورا بھروسہ ہے۔

سردار۔ سب کچھ ٹھیک ہے میرے حضور۔ مگر ہمیں ہر کام ہوشیاری سے کرنا چاہیئے۔ ہمارے زیادہ ساتھی تو مارے جا چکے ہیں۔ کچھ تجربہ کار ترک باقی ہیں۔ سو بہتر ہے کہ ہم خود بھی بچیں اور انھیں بھی بچائیں۔ اور کچھ دن تیاری کرنے کے بعد پھر اپنے ملک کو واپس لینے کی کوشش کریں۔

بابر۔ ہوں..... (سوچنا) تمھاری رائے ہے تو ٹھیک۔ لیکن ہم اپنے دشمنوں کو یہ کہکر اپنے اوپر ہنسنے کا موقع نہیں دینا چاہتے۔ کہ بابر فوج اور سامان کی زیادتی کو دیکھکر ڈر گیا۔ اور بھاگ کھڑا ہوا۔

سردار۔ لیکن میرے آقا۔ دشمن ایسے الفاظ تو اُس صورت میں کہہ سکتا ہے جب کہ ہم یہاں سے پیٹھ دکھا کر بھاگیں۔ ہم یہاں سے جائینگے ضرور۔ مگر بہادروں کی طرح فتح کے نقارے بجاتے ہوئے۔

بابر۔ تمہاری یہ بات ہم ابھی تک نہیں سمجھے۔ یہاں سے فتح کے نقارے بجاتے ہوئے ہم کہاں جا سکتے ہیں۔

سردار۔ افغانستان کی طرف۔ کیوں کہ یہی ملک ہمارے قریب ہے۔

بابر۔ تم اپنے ہوش میں ہو سردار۔ جانتے نہیں افغانوں کے مقابلے میں اس وقت ہماری تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔

سردار۔ لیکن ہم میں اتفاق ہے۔ اور ہم سب آپ کے حکم پر اپنی گردنیں کٹوا سکتے ہیں۔ ادھر افغانستان میں اس وقت پھوٹ پڑی ہوئی ہے اور وہاں ہر سردار بادشاہ بننا چاہتا ہے۔

بابر۔ یہ بات تو ہم مانتے ہیں۔

سردار۔ تو کیوں نہ وہاں چل کر ملک میں امن اور امان قائم کیا جائے۔ اور بزرگوں کی طرح بادشاہت حاصل کی جائے۔

بابر۔ (سوچتا)

سردار۔ آپ کیا سوچ رہے ہیں میرے آقا۔ کابل اور قندھار کے تخت آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اپنے وطن کو واپس لینے کے لئے ہم افغانستان میں پوری تیاری بھی کر سکیں گے۔

بابر۔ تمہاری تجویز ہمیں بہت پسند آئی ہے۔ فوج کو تیاری کا حکم دے دو ہم کل ہی افغانستان کی طرف کوچ کریں گے۔

راوی۔۔۔۔۔۔ چنانچہ افغانستان پر چڑھائی کر دی گئی۔ افغانوں نے جگہ جگہ مقابلہ کیا۔ مگر بابر برابر آگے بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ کچھ ہی عرصے بعد کابل

قندھار بابر کے قبضے میں آ گئے۔ اور جتنا علاقہ اُس کے چچا نے چھینا تھا اس سے کہیں زیادہ ملک بابر کے ہاتھ آ گیا (وقفہ) کچھ برس یہاں گذارے مگر من چلی طبیعت کو کسی طرح چین نہ پڑتا تھا۔ ایک دن دربار سجا ہوا تھا.... (ناچ)

بابر۔ بہت خوب۔

سردار۔ حضور۔

بابر۔ کچھ کہنا چاہتے ہو سردار۔

سردار۔ جی۔

بابر۔ تخلیہ...... (کچھ شور اور اسکے بعد) کہو۔

سردار۔ آپ کا اقبال کچھ اور بلندی چاہتا ہے عالم پناہ۔

بابر۔ یعنی۔

سردار۔ ایک اور ملک آپ کے سائے میں آنا چاہتا ہے۔

بابر۔ اپنے وطن پر چڑھائی کا ارادہ ہے۔ سو تیاری مکمل ہوتے ہی ہم فرغانہ پر حملہ کر دیں گے۔

سردار۔ فرغانہ کو تو ہم جس وقت چاہیں گے قبضے میں لے آئیں گے۔ مگر سو قت تو مجھے کچھ اور ہی عرض کرنا ہے۔

بابر۔ اجازت ہے۔

سردار۔ مُلاحظہ فرمائیے یہ خط۔

بابر۔ خط کہاں سے آیا۔

سردار۔ ہندوستان سے۔

بابر۔ کس نے بھیجا ہے۔

سردار۔ دولت خاں لودھی نے۔ پڑھئے۔

بابر۔ (خط پڑھنا) ابراہیم لودھی اب برائے نام ہندوستان کا شہنشاہ ہے۔ نہ اس میں خود اتنی ہمت ہے کہ ہندوستان پر حکومت کر سکے۔ اور نہ ہی رعایا اس کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہے۔ میں اور دوسرے کئی سردار ہندوستان کی بادشاہت آپ کو پیش کرتے ہیں۔ تشریف لائیے اور دہلی کے تخت پر بیٹھیئے ...... ہوں ..... تو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت ہے۔

سردار۔ ساتھ ہی خط لانے والے سے زبانی یہ عرض کرایا ہے کہ ابراہیم لودھی کی فوج گو گنتی میں زیادہ ہے۔ مگر وہ ابراہیم کو دل سے نہیں چاہتی اس لئے جان توڑ کر نہ لڑے گی۔ یہاں تشریف لائیے اور جگہ جگہ بغاوتیں ہونے سے پہلے ہی افغانستان کی طرح اس ملک میں بھی امن و امان کی روشنی پھیلائیے۔

بابر۔ بات بہت اہم ہے۔ ہم اس پر غور کریں گے۔ اور جلد ہی کوئی مناسب فیصلہ کریں گے۔

بیگم۔ تو کیا آپ نے یہ پکا ارادہ کر لیا ہے میرے سرتاج ..... کہ ہندوستان پر حملہ کیا جائے۔

بابر۔ ہاں بیگم۔

بیگم ۔ سرداروں کی کیا رائے ہے ۔

بابر ۔ یہ بات تو سب مانتے ہیں کہ اب خاموش بیٹھنے کا وقت نہیں ۔ کیونکہ ابراہیم لودھی اب ہندوستان پر حکومت کرنے کے قابل نہیں رہا ۔ تو پھر کیوں نہ ہندوستان پر مغلوں کی حکومت قائم کی جائے ۔

بیگم ۔ جی ...... تو ہمارے متعلق آپ نے کیا فیصلہ کیا ۔

بابر ۔ تم جو مناسب سمجھو وہی کیا جائے ۔ ہمارے ہمراہ چلنا پسند کرتی ہو ۔ تو ہندوستان چلو ۔ اور اگر یہیں پر ٹھیرنا چاہتی ہو تو یہ تمھارا ملک ہے ہماری طرف سے افغانستان پر حکومت کرو ۔

بیگم ۔ آپ کا کیا خیال ہے ۔ آپ کے ہندوستان جانے کے بعد کیا یہاں پر بغاوتیں نہ پھیلیں گی ۔

بابر ۔ ایسا ہو سکتا ہے ۔ مگر مجھے اپنے سرداروں پر پورا بھروسہ ہے ۔ میں ان ہی لوگوں کو یہاں کا انتظام سونپ جاؤں گا ۔ جن پر مجھے بھروسہ ہے ۔ وہ مر جائیں گے ۔ مگر اپنے بادشاہ سے بیوفائی نہ کریں گے ۔ اچھا بیگم وقت کم ہے اور ہمیں ضروری تیاریاں بھی کرنی ہیں ۔ اس لئے جیسا مناسب سمجھو کرنا ...... مگر ہم تمھیں یہی صلاح دیں گے کہ ہمارے ساتھ ہندوستان چلو ۔

بیگم ۔ میں حضور کا ہر حکم بجالانا اپنا فرض سمجھتی ہوں ۔

بابر ۔ مجھے تم سے ایسی ہی امید تھی ۔ سنو بیگم ۔ ہمارا دل گواہی دے رہا ہے ۔ کہ ہم اس جنگ میں کامیاب ہوں گے اور افغانستان کے علاوہ ہندوستان

بھی ہماری سلطنت کا ایک حصّہ ہو گا۔ اب اس پر افغانوں کا نہیں
مغلوں کا راج ہو گا۔

بیگم۔ خدا میرے سرتاج کے ارادے پورے کرے ...... آمین

(سازوں کے ساتھ سین بدلنا)

راوی۔ اُدھر آگرے میں ابراہیم لودھی کو جب یہ معلوم ہوا کہ بابر کی فوج نے
ہندوستان پر چڑھائی کر دی ہے۔ اور نہ صِرف پشاور۔ بلکہ لاہور بھی اس کے قبضے
میں آگیا ہے۔ تو اسے بہت فکر ہُوئی۔ اُس نے فوراً ہی دُور نزدیک کے سب فوجی
سرداروں کو جمع کیا۔ اور ....

ابراہیم۔ ہندوستان کی لاج رکھنے والے بہادرو..... معلوم ہے کہ بابر نے ہندوستان
پہ حملہ کر دیا ہے ..... اور تھوڑے ہی عرصے میں اُس نے پشاور اور لاہور
کو بھی فتح کر لیا ہے۔

وزیر۔ جہاں پناہ۔ ہم یہ افسوسناک خبر سُن چکے ہیں۔

ابراہیم۔ لیکن اس خطرے کو دُور کرنے کی کوئی تجویز بھی سوچی۔

وزیر۔ لاہور اور پشاور میں ہماری کافی فوج موجُود تھی۔ اس کے علاوہ یہاں سے
کمک بھی روانہ کی گئی۔ مگر کیا عرض کیا جائے۔ ....

ابراہیم۔ خاموش کیوں ہو گئے ..... یہ کیوں نہیں کہتے کہ وہ فوج بزدل تھی۔ بابر
کا مقابلہ نہ کر سکی۔

وزیر۔ میرے حضور۔ فوج نے پیٹھ نہیں دکھائی۔ اِس لئے وہ بزدل نہیں
کہی جا سکتی ..... وہ جان توڑ کر لڑی ..... اور لڑتے ہی لڑتے ختم ہو گئی .....

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بابر کی فوج کے پاس کچھ نئے قسم کے ہتھیار ہیں جنکی وجہ سے ہماری فوج بابر کی فوج کا جم کر مقابلہ نہ کر سکی۔

ابراہیم۔ لیکن ابراہیم اس بات کو ثابت کر دے گا کہ وہ جم کر مقابلہ کر سکتا ہے۔ ہم خود اپنی فوج کی کمان کریں گے۔ خواہ اس میں ہماری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ اعلان کر دو کہ ابراہیم خود ہندوستان کی حفاظت کرے گا۔ اور اس وقت تک لڑے گا جب تک کہ دشمن اس کے ملک سے نکال نہ دیا جائے۔

وزیر۔ ہندوستان کا بچّہ بچّہ اس لڑائی میں آپ کا ساتھ دے گا۔

ابراہیم۔ یوں تو نہ کہو..... خود ہمارے ملک میں ہمارے دشمن موجود ہیں۔ مجھے سب معلوم ہو گیا ہے کہ بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت کسنے دی

وزیر۔ بے ادبی معاف۔ سب کا شبہ دولت خاں پر ہے

ابراہیم۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ وہی دغا باز ایسی چالیں چل رہا ہے۔ کاش ہم میں پھُوٹ نہ ہوتی اور آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا..... خیر کوئی بات نہیں۔ چاروں طرف ہر کارے دوڑا دو۔ کہ شاہی فوج جہاں اور جس حالت میں ہو تیار ہو کر پانی پت کے میدان میں پہنچ جائے۔ ہم بھی دہلی ہوتے ہوئے پانی پت پہنچیں گے۔

وزیر۔ جو حکم عالی جاہ۔

راوی۔ حکم کی دیر تھی۔ چاروں طرف سے کوئی ایک لاکھ کے قریب شاہی فوج پانی پت کے میدان میں پہنچ گئی۔ دو ہزار ہاتھی بھی اسکے ساتھ تھے۔ ابراہیم لودھی

دہلی ہوتے ہوئے پانی پت آ گئے۔ سب تیاری تھی۔ مگر ہندوستان میں رہنے کی وجہ سے افغان آرام طلب ہو گئے تھے۔ ان میں اب وہ بہادری نہ تھی جو بابر کے سپاہیوں میں تھی۔ بابر کی فوج تعداد میں صرف پچیس ہزار کے قریب تھی۔ مگر تھی جرار اور جنگجو۔ ساتھ ہی بابر خود ایک تجربہ کار اور لائق سپاہی تھا۔ آخر دنیا کی تاریخ میں ایک ہمیشہ یاد رہنے والا دن آیا۔۔۔ یعنی ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء کی صبح کو پانی پت کی پہلی لڑائی شروع ہوئی۔

بابر۔ بہادر ترکو۔ یہ زندگی اور موت کا سوال نہیں۔ آن کا سوال ہے آج جتنی بہادری دکھا سکتے ہو دکھا دو۔

سردار۔ آپ دیکھیں گے آقا۔ ہم لڑتے لڑتے ڈھیر ہو جائیں گے۔۔۔۔۔ مگر پیٹھ نہ دکھائیں گے۔

بابر۔ شاباش۔ بابر کو تم سے ایسی ہی امید ہے۔ مگر یاد رکھو بابر یہ نہیں چاہتا کہ تم لڑتے لڑتے ختم ہو جاؤ۔ بابر تمہیں زندہ بھی دیکھنا چاہتا ہے اور وہ اس طرح کہ تم اپنے کو بچاتے ہوئے دشمن پر چھا جاؤ۔ اور ایسی کاری چوٹ لگاؤ کہ میدان ہمارے ہاتھ رہے۔

سردار۔ ہم ایسا ہی کریں گے آقا۔

بابر۔ خبردار۔۔۔۔ مجھے دکھائی دے رہا ہے کہ دائیں بازو کو کچھ خطرہ پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ تم فوراً ہی کچھ فوج لیکر ادھر پہنچو۔

سردار۔ بہت بہتر (بہت سے گھوڑ سواروں کا جانا۔۔۔۔ وقفہ۔۔۔۔)

ابراہیم۔ ہندوستان کے تخت پر اپنی جانیں نثار کرنے والے بہادرو۔۔۔۔۔ تمہاری

بہادری رنگ لا رہی ہے۔ بابر کی فوج کا دایاں بازو دبتا چلا جا رہا ہے
یہی وقت ہے۔ ایک ہزار ہاتھیوں کا رُخ اس طرف موڑو۔ اور دشمن کو
ان کے پیروں تلے روند دو۔

وزیر۔ فیلبانوں۔ ہوشیار۔ (ایک دم شور۔ ہاتھیوں کی آوازیں۔ تلواریں چلنا)

سردار۔ توپوں کو داغنے کا حکم دیجیے آقا۔۔۔ ہاتھی قریب آگئے ہیں۔ اگر انھیں نہ
روکا گیا تو ہم مغلوں کو اپنے پیروں تلے روند دیں گے۔

بابر۔ اس میں بھی ایک مصلحت تھی سردار۔۔۔۔۔ توپوں کو داغنے سے پہلے میں
یہ چاہتا تھا کہ ہاتھیوں کا لشکر میدان میں نکل آئے۔ سو ہمارا چاہا پورا
ہو گیا۔ ہاتھی توپخانے کی زد میں ہیں (زور سے کہنا) توپخانہ اپنا کام کرے
(گولے وغیرہ چلنا۔ ہاتھیوں کے چیخنے کی آوازیں)

سردار۔ وار کاری پڑا۔۔۔۔۔ وہ دیکھیے۔۔۔۔ ابراہیم کے ہاتھی خود ابراہیم کی فوج کو
روندتے ہوئے واپس بھاگ رہے ہیں۔

بابر۔ یہی وقت ہے۔ تیر انداز تیروں کی بارش کر دیں اور بچائی تازہ دم فوج
فوراً آگے بڑھ کر بھاگتے ہوئے ہاتھیوں پر وار کرے۔ (شور و شر)

ابراہیم۔ یہ کیا ہوا۔۔۔۔۔ خود اپنے ہاتھی اپنی فوج کو روند رہے ہیں۔

وزیر۔ حالت نازک ہو گئی ہے آقا۔۔۔ ہماری فوج اور ان ہاتھیوں کے لئے
توپ خانے کی لڑائی ایک نئی چیز ہے۔ ہاتھی بھاگ پڑے ہیں۔ فوج کا
بہت سا حصّہ تباہ ہو چکا ہے۔ باقی فوج بھی اس آگ کے آگے ٹھیرتی
دکھائی نہیں دیتی۔

ابراہیم۔ (غصے ہوکر) تم کیا چاہتے ہو۔
وزیر۔ یہی کہ حضور اس وقت اپنی جان بچائیں۔
ابراہیم۔ تم نمک حرام ہو۔ موت سے ڈرتے ہو۔ مگر ابراہیم بے شرمی کی زندگی نہیں بہادری کی موت پسند کرتا ہی۔ جسکو پیٹھ دکھانی ہو دکھائے۔ لیکن ابراہیم اپنے ملک پر قربان ہونے کے لئے قدم آگے بڑھائیگا۔
وزیر۔ میرے شہنشاہ.... پہلے ہمیں مرنے دیجئے۔
ابراہیم۔ نہیں۔ بابر کی بڑھتی ہوئی فوج کا میں خود مقابلہ کروں گا۔ (تلوار لیکر لڑنا۔ شور وشر)...... آہ خداوند تیرا شکر ہے کہ ...... میں اپنے ملک ...... پر ...... قربان ...... ہو رہا ہوں ...... (ہچکی۔ شور و شر ختم)
راوی۔ ابراہیم لڑائی میں کام آیا۔ اور اس کے بعد بابر فتح کے نقارے بجاتا ہوا دہلی میں داخل ہوا۔ مگر جلد ہی اسے یہ معلوم ہوگیا کہ ابھی ہندوستان میں کئی لڑائیاں اور لڑنی ہیں۔ چنانچہ اس لڑائی کے بعد اس کے بیٹے ہمایوں نے جونپور۔ بنگال، اور بہار کا ایک حصہ فتح کیا۔ اور بابر نے فتح پور سیکری اور چندیری کی مشہور لڑائیاں لڑیں۔ اور اس طرح چار سال کے اندر افغانستان کے علاوہ بابر نے پنجاب بنگال اور بہار وغیرہ کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا اور اب اسے کچھ اطمینان کا سانس نصیب ہوا۔ بابر غضب کا بہادر اور دلیر سپاہی تھا۔ سوار ایسا کہ شاید ہی کوئی ہو پورا تیراک تھا۔ مزاج کا سخت ضرور تھا۔ مگر بے رحم نہ تھا۔ کبھی کسی ملک پر لوٹ مار کی غرض سے حملہ نہ کرتا تھا بلکہ جس ملک کو فتح کرتا تھا۔ اسکی کوشش یہی ہوتی تھی کہ امن وامان پھیلائے اور لوگوں کی خوشنودی حاصل کرے۔ اسکی سپاہیانہ طبیعت

اسے شاید کہیں اور بھی لے جاتی مگر عمر نے وفا نہ کی۔ بابر کی موت کے متعلق یہ عجیب کہانی مشہور ہے کہ اسے اپنے بیٹے ہمایوں سے بہت محبت تھی۔ ایک دفعہ ہمایوں ایسا بیمار پڑا کہ اُس کی جان کے لالے پڑ گئے۔

بیوی۔ (روتے ہوئے) میرے سرتاج .... آنکھیں کھولئے۔

ہمایوں۔ (آہستہ سے) یہ کون ہمیں پکار رہا ہے۔

بیوی۔ آپ کی کنیز۔

ہمایوں۔ تمھیں خدا کو سونپا بیگم۔ اس خدا کو .... جسکے پاس اس کا یہ بندہ بھی جارہا ہے

بیوی۔ ایسے لفظ مُنہ سے نہ نکالئے۔ بدشگونی ہوتی ہے (رونا) بولئے میرے آقا۔ مجھسے آنکھیں نہ پھیریئے۔

ہمایوں۔ آ- .... اب تمھیں اکیلے رہنا ہوگا بیگم .... ہمایوں ایک لمبے سفر پر روانہ ہو رہا ہے۔ اس سفر پر جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا- ....

بیوی۔ تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلئے۔

ہمایوں۔ وہ ایسا سفر ہے جس پر اَن گنت مُسافر روانہ ہوتے رہتے ہیں۔ مگر سب کی راہ الگ ہے۔ کوئی ایک دُوسرے کا ساتھی نہیں بن سکتا۔

بیوی۔ (رونا)

ہمایوں۔ نہ روؤ بیگم۔ تم جیو۔ اور میں مرتے ہوئے دُعا کرتا ہوں کہ خدا تمھیں خوش رکھے۔

بیوی۔ (اور زور سے رونا) باندی

باندی۔ سرکار۔

بیوی ۔ جلدی حکیم صاحب کو بُلا کر لاؤ۔ حضور کی طبیعت زیادہ خراب ہوتی جا رہی ہے۔
ہمایوں ۔ حکیم صاحب اب کچھ نہ کر سکیں گے ..... ابا حضور کو بُلوا لیا جائے۔ کہنا جلدی تشریف لائیں ورنہ ان کا ہمایوں ان کی اجازت کے بغیر سدا کے لئے ان کی نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔
بیوی ۔ باندی جلدی جا ..... کھڑی کھڑی کیا دیکھ رہی ہے۔
باندی ۔ ابھی لاتی ہوں بیگم (کچھ دیر غمگین ساز۔ پھر باندی کا دُور سے کہنا)
باندی ۔ شہنشاہ تشریف لا رہے ہیں حکیم صاحب اور وزیر صاحب بھی ساتھ ہیں۔
بیوی ۔ ہم پردہ کئے لیتے ہیں۔ بُلا لاؤ۔
بابر ۔ (دُور سے) کہاں ہے میرا بچّہ ہمایوں۔
ہمایوں ۔ (نحیف آواز میں) ابا حضور۔
بابر ۔ او خدا ۔ ذرا سی دیر میں یہ کیا حالت ہو گئی ہمایوں تو اپنے باپ کو چھوڑ کر کہاں جا رہا ہے۔
ہمایوں ۔ میرے سر پر ہاتھ رکھ لیجئے ابا جان۔
بابر ۔ حکیم صاحب کچھ کیجئے۔
حکیم ۔ صاحب عالم دنیا کی بہترین دوائیں شہزادے کو استعمال کرائی جا چکی ہیں مگر کسی سے فائدہ نہیں ہوا۔
بابر ۔ تو کیا میں ہر طرف سے نا امید ہو جاؤں۔
حکیم ۔ جب دوا کام نہیں دیتی تو دُعا اثر کرتی ہے۔ غریبوں میں خیر خیرات کیجئے۔ ممکن ہے خدا انکی دُعاؤں سے شہزادے کو تندرستی عطا فرمائے۔

بابر۔ توکیا دیر ہے۔شاہی خزانے کھولدو۔ ہماری سلطنت میں آج کوئی غریب غریب نہ رہے۔انھیں اِس قدر مالا مال کر دو کہ وہ خوش ہوکر دل سے ہمارے بچے کی صحت کے لئے دُعائیں کریں۔

وزیر۔ بہتر حضور۔ میں ابھی تمام سلطنت میں صاحب عالم کا یہ حکم جاری کرائے دیتا ہوں۔

بابر۔ ہاں۔ہم اسی میں خوش ہیں کہ ہم کنگال ہو جائیں۔ہمارے خزانوں میں ایک پائی باقی نہ رہے۔مگر ہمارا ہمایوں زندہ رہے

ہمایوں۔ پانی ....

بابر۔ حالت نازک ہوتی جارہی ہے۔ دُعاؤں میں بھی کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ کیا خزانوں میں کوئی ایسی چیز باقی رہ گئی ہو جسے خیرات کرنے کا ہم نے حکم نہیں دیا۔

وزیر۔ عالم پناہ۔صرف ہیرے اور جواہرات۔

بابر۔ انھیں بھی خدا کی راہ میں دے ڈالو۔وہ میرے ہمایوں سے اچھے نہیں۔

ہمایوں۔ ابا جان۔ موت کا جو وقت مقرر ہو چکا ہو۔وہ نہیں ٹل سکتا۔

حکیم۔ مگر آپ نے یہ بھی تو سُنا ہوگا شہزادہ عالم، کہ خدا کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی دینے سے موت بھی ٹل جاتی ہے۔

بابر۔ لیکن ہماری سب قربانیاں ضائع گئیں۔تم بتا سکتے ہو میرے دوستو بابر کے خزانے میں کوئی ایسی چیز موجود ہے جس کی خیرات کرنیکا اب تک حکم نہ دیا گیا ہو۔

وزیر۔ صرف کوہِ نور ہیرا باقی ہے جو ہندوستان فتح کرنے کے بعد ابراہیم لودھی کے خزانوں سے مغل شہنشاہ کو تحفے کے طور پر پیش کیا گیا تھا اور جس کی قیمت دُنیا کی ہر چیز سے زیادہ ہے۔

بابر۔ اِس وقت کوہِ نور بھی ہماری نظر میں صرف ایک پتھر ہے۔ جاؤ لمبے بھی ہمایوں پر سے قربان کر دو۔

وزیر۔ حضور......

بابر۔ جاؤ، مجھے ہمایوں سے زیادہ دنیا میں کوئی چیز عزیز نہیں۔ اگر ہمایوں نہ رہا تو میرے لئے دُنیا اندھیری ہو جائے گی (کچھ ٹھیر کر) مگر ٹھیرو۔ ہماری یہ قربانی بھی قبول نہ ہو گی۔....

حکیم۔ وہ کیسے جہاں پناہ۔

بابر۔ کیونکہ ہم نے اپنی سب سے زیادہ قیمتی چیز ابھی تک بچا کر رکھی ہوئی ہے۔

وزیر۔ وہ کونسی چیز ہے۔

بابر۔ وہ بابر کی جان ہے۔ ہم اپنی جان کو اپنے بچے پر قربان کر دیں گے۔

حکیم۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں حضور...... اس کا مطلب۔

بابر۔ یہی کہ ہمایوں بچ جائیگا... اور اسکے بدلے بابر موت کی نیند سوئیگا۔

وزیر۔ یُوں نہ کہیے حضور..... آپ کا زندہ رہنا بہت ضروری ہے۔

بابر۔ بابر دنیا کی کافی سیر کر چکا ہے۔ لیکن اس کے ہمایوں نے تو ابھی کچھ نہیں دیکھا۔ اس لئے اس کا زندہ رہنا زیادہ ضروری ہے۔ اور اس کی زندگی میں اپنی قربانی دُوں گا۔

ہمایوں۔ آپ ایسی باتیں نہ کریں ابا حضور۔
بابر۔ نہیں میرے بچے ..... میں تیرا جنازہ اپنے ہاتھوں سے نہیں اُٹھا سکتا۔
دنیا میں کوئی باپ اس سے زیادہ بدنصیب نہیں جو اپنے جوان بیٹے کو
کاندھا دے دیکر قبر میں اُتارے۔
وزیر۔ تو کیا حضور خودکشی کریں گے۔
بابر۔ نہیں ..... یہ بزدلوں کا کام ہے۔ میں خدا کو ضامن کر کے ہمایوں کی چارپائی
کے گرد گھوم کر خدا سے دُعا کروں گا کہ اگر ہمایوں کی زندگی ختم ہو گئی ہے تو
میری باقی زندگی ہمایوں کو دے دی جائے۔ مجھے یقین ہے کہ میری
یہ دُعا قبول ہو جائے گی۔ آپ سب لوگ چارپائی سے ذرا دُور ہو جائیں
اور مجھے جگہ دیں۔ (گھومنا) خداوندا ..... تو نے اپنے اس گنہگار بندے
کی بہت سی دعائیں قبول کی ہیں ..... یہ آخری دُعا اور قبول کر لے .....
میری باقی زندگی ہمایوں کو دے دی جائے۔ میں ہمایوں کو اپنے بدلے
زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرے ہمایوں کی موت مجھے آجائے
حکیم۔ گستاخی معاف ..... مجھے ڈر ہے کہ اس طرح پریشان ہونے سے خدانخواستہ
آپ کی طبعیت بھی خراب نہ ہو جائے۔ اس لئے حضور تھوڑی دیر
آرام فرمالیں
بابر۔ لیکن آرام کرنے سے پہلے میں تم سب کو گواہ کر کے پھر خدا کے سامنے اقرار
کرتا ہوں کہ ہمایوں کی بیماری میں نے لے لی ... (زور زور سے) ہمایوں
کی بیماری میں نے لے لی ... (جوش سے) اپنے بچے کی بیماری میں نے

لے لی۔ آہ......

حکیم۔ شہنشاہ بیہوش ہو گئے..... انھیں اُٹھا کر آرام سے لٹا دو۔

وزیر۔ افسوس ادھر شہنشاہ بیہوش ہیں..... اور اُدھر شہزادہ عام بھی اپنے ہوش میں نہیں..... کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جائے۔

ہمایوں (ہوش میں آنا) آہ...... کتنا ڈراؤنا خواب تھا۔ ابا حضور کہاں تشریف لے گئے۔

حکیم۔ ان کی طبیعت آپ کی حالت دیکھکر کچھ خراب ہو گئی ہے۔

ہمایوں مجھے دیکھکر..... اسوقت تو واقعی میری طبیعت خراب ہو چلی تھی پر اب کچھ سکون ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یکایک بیماری کا زور کم ہو گیا..... ابا حضور..... ابا حضور..... کوئی جواب نہیں...... شاید بے ہوش ہو گئے۔

حکیم۔ جی۔

ہمایوں۔ انھیں جلد ہوش میں لانے کی کوشش کیجئے، حکیم صاحب..... میرا فکر نہ کیجئے.......

حکیم بہتر....... میں شاہی دواخانہ سے ابھی چند دوائیں لیکر حاضر ہوتا ہوں۔

راوی۔ کہتے ہیں سچّے دل سے جو دُعا مانگی جائے .... اسے خدا قبول کر لیتا ہے۔ بابر کی دُعا نے بھی اپنا اثر دکھایا۔ اسی وقت سے ہمایوں اچھا ہوتا چلا گیا۔ اور بابر کی حالت خراب ہوتی گئی...... یہاں تک کہ

اس مغلیہ سلطنت کا بانی جو تقریباً تین سو برس تک ہندوستان پر قائم رہی
موت کے بستر پر لیٹ گیا۔ اور چند ہی دنوں میں ......

بابر۔ (کم زور آواز میں) جو ہوا اچھا ہوا میرے بچے ...... میں یہی چاہتا تھا۔ سو
خدا نے میرا چاہا پورا کر دیا ...... تم بچ گئے۔

ہمایوں۔ مگر مجھے اپنے بچنے کی کوئی خوشی نہیں۔ میرے مرنے سے صرف آپکو رنج
پہنچتا۔ لیکن آپ کے مرنے سے تمام ہندوستان کو رنج پہنچے گا۔

بابر۔ مرنا ایک دن یقینی ہے ہمایوں۔ میں نے جہاں دنیا کے رنج و غم سہے وہیں
اسکی بہاریں بھی دیکھ لیں۔ میرے دل میں اب کوئی ارمان باقی نہیں رہا۔ اب
تم اس سے اپنا دل بہلاؤ۔ یہ تاج اُٹھاؤ اور اپنے سر پر رکھو۔۔ رکھو میرے
ہمایوں اس تاج کو اپنے سر پر ...... یہ تمہارے باپ کا آخری حکم ہے۔

ہمایوں (روتے ہوئے) میں ابا حضور کے حکم پر اپنا سر جھکاتا ہوں ....

بابر۔ وزیر اور امیرو ...... اپنے نئے شہنشاہ کو آداب بجا لاؤ۔ آج سے بابر نہیں ....
ہمایوں تمہارا بادشاہ ہے۔ جھکا دو سب اپنی گردنیں ہمایوں کے سامنے۔

وزیر۔ شہنشاہ ہمایوں زندہ باد۔

بابر۔ (ہلکی آواز میں) میرا ہمایوں ..... زندہ باد .... آہ ..... مجھے سنبھالو۔ ہمایوں
میرے بچے .... میرے سینے سے لگ جا ....

ہمایوں۔ (روکر) ابا ...... ابا حضور ......

بابر۔ آہ ... خداوندا میرے گناہ بخش دیجیو ..... آہ ..... (ہچکی لینا اور ختم)

"ھمایوں"

راوی۔ آج سے کوئی چار سو چودہ برس پہلے یعنی سنہ ۱۵۳۰ء میں شہنشاہ بابر کا انتقال ہوا۔ اور ان کا بیٹا ہمایوں دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ بابر نے ہمایوں کو وصیت کی تھی کہ بھائیوں کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ اور ملک میں امن و امان قائم رکھنے کی طرف پورا پورا دھیان دے۔ چنانچہ ہمایوں نے تخت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلا جو کام کیا وہ یہ تھا:۔

امیر۔ سب صاحبان خاموش بیٹھ جائیں۔ کیوں کہ ہندوستان کے نئے شہنشاہ اپنی زبان مبارک سے کچھ فرمانا چاہتے ہیں۔ (خاموشی)

ہمایوں۔ میرے دوستو۔ آج کے اس دربار سے میرا یہ مقصد نہیں کہ اپنی طاقت کا لوہا آپ سے منواؤں۔ یا آپ لوگوں سے زبردستی اپنے آپ کو شہنشاہ کہلواؤں۔ والد مرحوم کی وصیت کے مطابق میں نے اس تخت پر قدم

رکھا ہے۔ اور آپ نے مجھے اپنا بادشاہ تسلیم کیا ہے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

امیر۔ شہنشاہ ہمایوں زندہ باد۔

ہمایوں۔ اب جب کہ سلطنت کا یہ بوجھ مجھے اٹھانا پڑا ہے۔ تو میرا یہ فرض ہے کہ میں ان وصیتوں کو پورا کروں جو والد مرحوم نے مجھے کی تھیں۔ ابا حضور نے فرمایا تھا کہ اپنے بھائیوں سے نیک سلوک کرنا۔ سو بھائیوں سے میں یہ عرض کرتا ہوں کہ وہ جونسا علاقہ چاہیں پسند کریں اور اُس پر حکومت کریں۔

کامران۔ ہم سب بھائی شہنشاہ کی محبت کی قدر کرتے ہیں۔ وہ جونسا علاقہ چاہیں ہمیں بخش دیں۔

ہمایوں۔ نہیں بھائی کامران۔ آپ خود بتا دیں کہ آپ کو کونسا علاقہ پسند ہے اسی طرح مرزا عسکری اور مرزا ہندال بھی کچھ کہتے ہوئے نہ ہچکچائیں (کچھ دیر شور) کوئی جواب نہ ملا۔

امیر۔ اگر اجازت ہو تو خادم کچھ عرض کرے۔

ہمایوں۔ اجازت ہے۔

امیر۔ شہنشاہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ان کے تینوں بھائی کونسا علاقہ پسند کرتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہوگا کہ حضور خود یہ فیصلہ کر دیں۔

ہمایوں۔ کیوں بھائی کامران۔

کامران۔ وزیر صاحب کی رائے ہمارے خیال میں مناسب ہے۔

ہمایوں ۔ تو سمجھئے کہ فیصلہ ہوگیا ۔ بھائی کامران (سوچنا) اگر پنجاب ۔ کابل اور قندھار آپ کو دے دئے جائیں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔

کامران ۔ میں بڑی خوشی سے ان علاقوں کو قبول کرتا ہوں۔

ہمایوں ۔ مرزا عسکری میوات کے علاقے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔

عسکری ۔ مجھے منظور ہے۔

ہمایوں ۔ رہے مرزا ہندال، تو سنبھل کے علاقے سے انھیں شروع ہی سے دلچسپی ہے۔

ہندال ۔ آپ نے میرے دل کی بات کہدی۔

ہمایوں ۔ شکر ہے کہ ابا حضور کی ایک وصیت پوری ہوگئی اور سب نے خوشی سے یہ فیصلہ منظور کرلیا ہے۔

کامران ۔ آپ کا درست خیال ہے بھائی جان۔

ہمایوں ۔ رہی دوسری وصیت ۔ امن وامان قائم رکھنا ۔ سو ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم خود ظلم کریں گے اور نہ ہی ظالم کا ساتھ دیا جائیگا ۔ ہر اُس شخص کو پوری پوری سزا دی جائے گی جو اپنے سے کم زور کو ستائے گا ۔ چاہے وہ شاہی خاندان سے ہی تعلق کیوں نہ رکھتا ہو ۔ ہم ایک مرتبہ پھر یہ اعلان دُہرانے ہیں آپ سب سُن لیں ۔ اور سلطنت کے کونے کونے میں یہ بات پھیلا دیں کہ کسی شخص کو ہمایوں سی اگر کوئی شکایت پیدا ہو جائے تو وہ شہنشاہ کے دربار میں اپنی شکایت پیش کرے ۔ ہم ایک انصاف کرنے والے کی حیثیت میں ہوں گے ۔ اور اپنے خلاف فیصلہ کرتے ہوئے بھی نہ ہچکچائیں گے۔

آمیر۔ خدا ہمارے شہنشاہ کی عمر دراز کرے۔

کامران۔ (سب مل کر) آمین۔ (کچھ دیر شور اور ساز)

عسکری۔ دیکھا کامران تم نے۔ بھرے دربار میں ہمایوں نے ہم بھائیوں کے ساتھ کتنی بے عزتی کا سلوک کیا ہے۔

کامران۔ اتنی بڑی سلطنت میں سے کچھ علاقے ہمیں دیکر سمجھ لیا کہ بہت کچھ دیدیا۔

عسکری۔ شرم بھی نہ آئی۔ پھر کہتا ہے میں نے ابا حضور کی وصیت پوری کی۔

کامران۔ نہ جانے ابا جان نے اسے اپنا جانشین کیسے مقرر کر دیا۔ ورنہ عسکری میں سمجھتا ہوں ہمایوں میں حکومت کرنے کی قابلیت ہی نہیں۔

عسکری۔ یہی میرا خیال ہے۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ اگر آپ اسکی بجائے بادشاہ بنائے جاتے تو مغلیہ سلطنت میں چار چاند لگجاتے۔

کامران۔ مگر ابا حضور کو ایسا کیوں کرنا تھا۔ انھیں تو جو کچھ تھا ہمایوں تھا۔

عسکری۔ (دانت پیس کر) خیر۔ وقت کا انتظار کرو۔ اور اپنے اپنے علاقہ میں جاکر وہاں کی باگ ڈور سنبھالو۔ کئی سردار ہمایوں سے ناخوش ہیں میں انھیں اُکساؤں گا کہ وہ بغاوت کر دیں۔

کامران۔ اسکے بعد جب ہمایوں ہم سے مدد مانگے تو صاف انکار کر دیا جائے۔ اور اس طرح اپنے لئے میدان صاف کیا جائے۔

عسکری۔ تو فیصلہ ہوا۔ اب ہم ایسا ہی کریں گے۔ (طنزیہ ہنسی)

راوی۔ اس طرح ہمایوں کے بھائیوں نے اپنے اپنے علاقہ پر قبضہ کرنیکے بعد چُپکے چُپکے بہت سے سرداروں کو ہمایوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا جس کو جب

سے ہمایوں کو بہت سی مصیبتیں اُٹھانی پڑیں۔ ہمایوں کی ان مصیبتوں کا ایک اور سبب شیر خاں تھا۔ شیر خاں پہلے بابر کا دوست تھا۔ لیکن چندیری کی لڑائی کے بعد بابر سے بگڑ بیٹھا تھا۔ مگر ہمایوں کو اس پر پورا بھروسہ تھا۔ اسے صوبہ بہار کی حکومت سپرد کر رکھی تھی۔ لیکن شیر خاں نے جب دیکھا کہ ہمایوں کے بھائی اسکے خلاف ہیں اور ایک آدھ اور جگہ پر بھی اسے ناکامی ہوئی ہو تو اس نے بھی ہمایوں کے خلاف اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اور بنگال وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ ہمایوں نے جب یہ سنا تو بہت پریشان ہوا۔

بیگم۔ آپ کی پریشانی بڑھتی ہی جا رہی ہے میرے سرتاج۔

ہمایوں۔ غم اس بات کا نہیں بیگم کہ شیر خاں نے ہمارے خلاف بغاوت کر دی ہے۔ بلکہ اس بات کا ہے کہ سگے بھائی خون کے ...... پیاسے ہو رہے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ ابا حضور سلطنت کا یہ بوجھ میرے کاندھوں پر نہ رکھتے اور بھائیوں میں سے کسی کو بادشاہ بنا دیتے۔

بیگم۔ مگر آپ نے تو کسی بھائی کے ساتھ بھی بے انصافی نہیں کی۔

ہمایوں۔ پر وہ تو ایسا ہی سمجھتے ہیں۔

بیگم۔ تو انھیں یہاں بُلا کر معلوم کر لیجیے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔

ہمایوں۔ تم بہت بھولی ہو حمیدہ بانو۔ کیا تمھارا یہ خیال ہے کہ وہ میرے یہاں بُلانے سے آجائیں گے۔

بیگم۔ آ کیوں نہ جائیں گے۔ آخر کو تو وہ آپ کے بھائی ہیں۔

ہمایوں۔ یہ ٹھیک ہے۔ لیکن بھائی جب بھائی کے خلاف ہو جاتا ہے تو وہ غیروں سے

بھی زیادہ نفرت کرنے لگتا ہے۔ یہی حال اب ان کا ہو گیا ہے۔ وہ مجھے
اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ اس لئے وہ میرے پاس
کبھی نہ آئیں گے۔

بیگم۔ لیکن آپ کوشش تو کریئے۔

ہمایوں۔ تمہارا خیال ہو بانو میں خاموش ہوں۔ ہر ممکن کوشش کر چکا ہوں کہ وہ مجھے
اپنا دوست سمجھیں اور یہاں آ کر جو چاہتے ہیں اس کا فیصلہ کر لیں۔ مگر وہ
کسی بات پر بھی راضی نہیں ہوتے۔

بیگم۔ پھر اب کیا ہو گا۔ دشمن تو بڑھتا ہی چلا آ رہا ہے۔

ہمایوں۔ بادشاہوں کے لئے دو ہی چیزیں ہوا کرتی ہیں بیگم۔ تخت یا تختہ۔ ہم اب خود
شیر خاں کو اسکے کئے کی سزا دینے کے لئے جائیں گے۔ انجام خواہ کچھ ہی ہو۔

بیگم۔ میرے سر پر خدا کا سایہ سلامت رہے۔ آپ ضرور کامیاب ہوں گے۔

باندی۔ (آ کر) حضور

بیگم۔ کیسے آئیں۔

باندی۔ دربار میں سب سردار جمع ہو گئے ہیں۔ وزیر صاحب نے اطلاع بھیجی ہے۔

ہمایوں۔ سب آ گئے۔ اچھا بیگم اپنے ہمایوں کو اجازت دو آج ہمیں چند ضروری
مشورے کرنے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ہم آج یا کل صبح ہی غدار شیر خاں کو
اسکے کئے کی سزا دینے کے لئے بنگال کی طرف کوچ کر جائیں۔ باندی...
اطلاع بھیجو کہ ہم آ رہے ہیں۔

باندی۔ بہتر حضور۔

ہمایوں ۔ تو اجازت ہے ۔

بیگم ۔ خدا حافظ ۔ (کچھ دیر ساز)

امیر ۔ حضور فوج تیار ہے ۔ صرف آپ کی اجازت کی دیر ہے ۔

ہمایوں ۔ اجازت کیسی ۔ ہم خود اس فوج کی کمان کریں گے ۔ راستے کے تمام صوبہ داروں اور جاگیرداروں کو اطلاع دے دی گئی ہے نا ۔

امیر ۔ جی ۔ کہ سب تیار رہیں اور شاہی فوج میں شامل ہوتے جائیں ۔

ہمایوں ۔ بس تو پھر کس بات کا انتظار رہ گیا ہمیں آج ہی روانہ ہو جانا چاہیئے ......

(بہت سے گھوڑوں کی روانگی ۔ راستہ کا بینڈ)

شیر خاں ۔ بہادرو ۔ تم نے سن لیا ہوگا کہ ہمایوں شیر خاں کے مقابلے کیلئے چل پڑا ہے اور اب اس کی فوجیں یہاں سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ہیں ۔

ساتھی ۔ مگر یہ مغلوں کی سخت غلطی ہے ۔ شاید وہ اپنا تمام علاقہ آپ کے قدموں پر نچھاور کرنا چاہتے ہیں ۔

شیر خاں ۔ تمھارا خیال اب نہیں تو کچھ عرصے کے بعد ضرور پورا ہو جائیگا ۔ کیوں کہ ہر ملک کو طاقت سے فتح کیا جاسکتا ہے جس طرح مغلوں نے ابراہیم سے ہندوستان چھینا تھا ۔ اسی طرح اب ہم ان سے یہ تمام ملک واپس لیں گے

ساتھی ۔ اور ایسا ہونا ہی چاہیئے ۔

شیر خاں ۔ اس کے بعد جانتے ہو میرے دوست کیا ہوگا ۔

ساتھی ۔ جی نہیں ۔

شیر خاں ۔ ہندوستان ایک نئے سانچے میں ڈھل جائیگا میں اسے اتنا خوش حال

بنا دوں گا کہ یہاں کا ہر شخص اپنی جگہ خوش ہوگا۔

ساتھی۔ خدا آپ کے ان نیک ارادوں کو پورا کرے اچھا اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔

شیر خاں۔ میں خوب سمجھتا ہوں۔ ہماری فوج ابھی اتنی طاقتور نہیں کہ ایک دم مغلیہ فوج کا مقابلہ کر سکے۔ اس لئے ہمایوں کو ابھی اور قریب آنے دیا جائے۔ جب شاہی فوج آگرے سے دُور ہو جائے گی تو ان کو کمک پھر مشکل سے پہنچے گی۔ اسکے علاوہ تھوڑے ہی دنوں میں برسات شروع ہونیوالی ہے اگر ہمایوں کو برسات یہاں گزارنی پڑی تو سمجھ لو کہ ہمارا چاہا پورا ہو جائیگا۔

ساتھی۔ وہ کیسے حضور۔

شیر خاں۔ برسات کے دنوں میں اس علاقہ میں جو بیماریاں پھیلتی ہیں وہ مغل فوج پر ایک دشمن سے زیادہ وار کریں گی، کیونکہ ان کے پاس اس کا کوئی بندوبست نہ ہوگا۔ ایسی صُورت میں ہم ان پر حملہ کر دیں گے۔ اور ....

ساتھی۔ اسکے بعد میدان ہمارے ہاتھ رہے گا۔ (دونوں کا ہنسنا)

راوی۔ اور ہوا بھی ایسا ہی۔ ہمایوں کی فوج نے کافی آگے بڑھکر پڑاؤ کیا تو برسات شرُوع ہو گئی اور شاہی فوج کو بخار وغیرہ نے آگھیرا۔ ہر روز اَن گنت آدمی مرنے لگے۔ ہمایوں سخت پریشان ہو گیا۔ ادھر شیر خاں نے حملے شروع کر دیئے۔ اور اس طرح ہمایوں کو سخت گھبراہٹ کی حالت میں بھاگنا پڑا۔ ندی نالے چڑھے ہوئے تھے۔ مغلیہ فوج بھاگ کر آگرے کی طرف آ رہی تھی۔ پیچھے سے دشمن کا ڈر تھا اور راستے میں ایک دریا پُورے بہاؤ پر تھا۔

(گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز۔ دریا کا بہاؤ)

امیر۔ ٹھیریئے جہاں پناہ۔ آگے بڑھنا خطرناک ہے۔

ہمایوں۔ (گھوڑا روک کر) آج کل قدرت بھی ہمایوں کے خلاف ہے۔ اگر یہیں پڑاؤ کیا جاتا ہے تو دشمن ہم سے کچھ دور نہیں۔

امیر۔ اور اگر آگے بڑھا گیا تو دریا کے چڑھاؤ سے دوچار ہونا پڑے گا۔

ہمایوں۔ ہمارا یہ وفادار گھوڑا اکثر دریا پار کرتا رہا ہے۔

امیر۔ لیکن جہاں پناہ آج یہ دریا۔ دریا نہیں سمندر دکھائی دے رہا ہے۔

ہمایوں۔ بہرحال ہم اس کو ضرور پار کریں گے۔ اور اگر ہم ڈوب بھی گئے تو کوئی پروا نہیں۔ ہم اپنی اس موت کو شیر خاں کی غلامی سے بہتر سمجھتے ہیں۔

امیر۔ تو ٹھیریئے۔ پہلے میں اپنا گھوڑا دریا میں ڈالتا ہوں۔

ہمایوں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ موت آئے گی تو پہلے ہمایوں کو آئے گی۔ میرے دوستو خدا پر بھروسہ رکھتے ہوئے میرے ساتھ چلے آؤ اور اپنے گھوڑے دریا میں چھوڑ دو

بنو می۔ لو اب چلو نا۔ کب تک دریا پر بیٹھے رہو گے۔

نظام۔ یا میرے مالک۔ ناک میں دم آ گیا ناک میں۔ ہر بات میں ٹوکنا ٹھیرا۔ ہر بات میں۔

بنو می۔ میں نے کیا کہہ دیا تمھیں۔

نظام۔ بھاگوان تجھے کیا کہنا تھا قصور تو سارا میرا ہے میرا۔ گھر میں بیٹھتا ہوں تو کہتی ہے پانی بھرو پانی۔ یہاں آتا ہوں تو کہتی ہے گھر چلو گھر۔

بنو می۔ تو کیا برا کر دیا۔ تمھیں سمجھاؤں بھی نا۔ بے کار بیٹھے بیٹھے کون کھلا دے گا تمھیں۔

نظام ۔ بیکار ۔ خدا کی قسم بس یہ ہی نہ کہیو فتو کی ماں ۔ میں پھر کہتا ہوں بس بیکار ہی نہ کہیو مجھے ۔ صبح سے جی خراب تھا ۔ کوئی اور سقہ دیکھ بھی رہی ہو یہاں ۔ کون آتا ہے اس بارش میں دریا پر ۔ یہ نظام سقے ہی کا دم تھا جو آج بھی محنت مزدوری کر رہا ہے اور تیرا پیٹ بھر رہا ہے ۔

بیوی ۔ تو کونسا تیر مار دیا ، مرد ہوتے ہی اس واسطے ہیں کہ کما کر لائیں اور بال بچوں کو کھلائیں ۔

نظام ۔ میں کب انکار کرتا ہوں ۔ میں کہتا ہوں مجھے اس سے کب انکار ہے ۔ پر بیکار کہکر میری جان تو نہ جلا ۔ نہیں سمجھ لے کسی دن یہ دریا کا بہاؤ ہوگا اور میں ۔

بیوی ۔ نوج خدا نہ کرے ۔ ایسی بُری فالیں تو منہ سے نہ نکالو ۔ ایک ذرا سی بات کہدی تھی ، بُرا ہی مان گئے ۔

نظام ۔ (کچھ مسکرا کر) یہ بات ہے تو چلو گھر ۔ پر کیوں نہ یہ مشک اور بھر کے لے چلوں ۔

بیوی ۔ ہاں ہاں کیوں نہیں ۔ دمڑی چھدام کچھ ملے گا ہی ..... ارے ارے ارے دیکھنا وہ پرلی طرف سے دریا میں کون آدمی چلے آ رہے ہیں ۔

نظام ۔ سچ مچ بھی ۔ اور ایک آدھ نہیں سینکڑوں گھوڑ سوار ہیں ۔

بیوی ۔ اتنے روز کا تو بہاؤ ہے اور یہ ایسی حالت میں دریا کو پار کرنا چاہ رہے ہیں مالک ہی ہے جو یہ ادھر آجائیں ۔

نظام ۔ فتو کی ماں چپ چپ دیکھ وہ تو سچ مچ دو ایک آدمی غوطے کھا رہے ہیں ۔

بیوی ۔ ہے ہے ۔ اب یہ بیچارے ڈوب جائیں گے ۔

ہمایوں (دور سے) بچاؤ ..... اُف بچاؤ .....

نظام ۔ بیچارا مدد مانگ رہا ہے۔ اوہو۔ ساتھی بھی تو اوسان بھول رہے ہیں۔

بیوی ۔ وہ خود ڈوب رہے ہیں۔ اُسے کیسے بچائیں۔

نظام ۔ لے، تو میرا کہا سنا معاف کر۔

بیوی ۔ کیوں خیر تو ہے۔

نظام ۔ میرے سے اس کا ڈوبنا نہیں دیکھا جاتا۔ تو جانے آخر تیراکی کا بھی تو اُستاد ہوں۔ ایک آدمی سامنے ڈوب رہا ہو تو ایسی تیراکی پر لعنت ہے جو اسے نہ بچاوے۔

بیوی ۔ ہے ہے۔ میں تو کبھی بھی نہیں جانے دوں گی۔

نظام ۔ خبردار ایسی گری ہوئی بات منہ سے نہ نکال۔

بیوی ۔ سنو تو.....

نظام ۔ میں کچھ نہیں سنوں گا۔ (پانی میں کودنا۔ ہمایوں اور اسکے ساتھیوں کی آوازیں)

امیر ۔ حضور کو بچاؤ۔ اگر حضور ڈوب گئے تو ہم کس طرح منہ کو دکھائیں گے

نظام ۔ (قریب پہنچکر) تم سب پرے ہٹ جاؤ۔ میں اسے بچالونگا۔ لو یہ میری مشک۔ اسے ہاتھ سے تھام لو۔ تم بچ جاؤ گے۔ بس ٹھیک ہے۔ اس مشک کو ہاتھ سے مت چھوڑنا۔ اس پر سوار ہو جاؤ۔ گھبراؤ مت۔ آہستہ آہستہ پیر مارو اور کنارے پر پہنچ جاؤ۔ (کچھ دیر تیرنا۔ پانی کا شور)

امیر ۔ اب حضور کی طبیعت کیسی ہے۔

ہمایوں ۔ خدا کے فضل سے اب ہم ٹھیک ہیں۔ ہمارے بچانے والے کا کیا حال ہے اسے جانے تو نہیں دیا گیا

امیر ۔ نہیں جہاں پناہ۔

ہمایوں۔ ہمارے پاس بُلا کر لاؤ۔

امیر۔ بہتر (جاتا ہی)

نظام۔ (دُور سے کہتے ہوئے آتا) ایسا اندھیر کہیں نہیں دیکھا۔ ایک تو ڈوبنے سے بچایا اوراب گھر بھی نہیں جانے دیتے۔

بیوی۔ بچے بھوکے رو رہے ہوں گے۔ مجھے تو ابھی گھر جا کے روٹی پکانی تھی بس اب تو ہمیں جانے ہی دو۔

ہمایوں۔ ذرا ٹھیرو۔ ابھی چلے جانا۔

امیر۔ تمھیں معلوم ہو میاں بہشتی تم کس سے باتیں کر رہے ہو۔

نظام۔ جی ہاں۔ آپ کوئی بڑے سردار معلوم ہوتے ہیں۔ پر میں نے تو ان کیساتھ بھلائی ہی کی ہو۔ اپنی جان کو جوکھوں میں ڈال کے انھیں بچایا ہو۔ کیوں فتو کی ماں۔ اری تو بھی تو کچھ بول۔

بیوی۔ کیوں نہیں .... کیوں نہیں۔

ہمایوں۔ ہم جانتے ہیں۔ بیشک آج تم نہوتے تو ہماری جان نہ بچتی۔ تمھارا کیا نام ہو۔

بیوی۔ فتو کے باپو کہیں ہیں سب انھیں۔

نظام۔ نام نظامو ہے

ہمایوں۔ نظام

نظام۔ نظام کہہ لو۔ وہ تو ایک ہی بات ہو۔

ہمایوں۔ میاں نظام۔ تمھیں اس لیے روکا گیا تھا کہ تم نے ہماری جان بچا کر ہم پر جو احسان کیا ہی اسکا تمھیں بدلہ دیں۔ بولو تم کیا چاہتے ہو۔

نظام - بدلے وَدلے کی تم فکر نہ کرو - مالک کی مہربانی سے دو روٹی صبح اور دو روٹی
شام مل ہی جاتی ہو - سمجھے امیر صاحب -

ہمایوں - سنو تم کسی امیر یا فوجی سردار سے بات چیت نہیں کر رہے ہو - تم ہمایوں
اپنے بادشاہ سے باتیں کر رہے ہو ....

نظام - حضور - ہمارے ....

بیوی - بادشاہ سلامت -

ہمایوں - ہاں -

نظام - (گھبرا کر) تو حضور بھول ہوئی ... معاف کر دو - پھر ایسی غلطی نہیں ہو گی -

ہمایوں - نہ گھبراؤ میرے دوست - ہم تم سے ناراض نہیں خوش ہیں - تمنے ہماری
جان بچائی ہے - ہم اسکے بدلے تمہیں کچھ دینا چاہتے ہیں - کہو نظام تم
کیا لینا چاہتے ہو -

نظام - کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا مانگوں (بیوی سے) تو ہی کچھ بتا فتو کی ماں -

بیوی - اے ... ایک تگڑی سی بیلوں کی جوڑی مانگ لو - دریا سے گھر تک ان
پر کھال لاد کر لیجایا کریں گے -

نظام اور کھال اور مشکوں کے لئے چمڑا جو چاہیئے - بس تو چپکی رہ - میں آپ
سوچ سمجھ کے مانگ لوں گا - حضور کچھ تھوڑے سے بہت روپے دیدیجیے -
اس کا نیا سامان خرید لوں گا -

ہمایوں کوئی اور بڑی چیز مانگو نظام -

نظام - اور اب بڑی چیز کیا مانگوں - ایک نیا مکان بنوا دیجیے - بیل باندھنے کے لئے

نوھرا اور بچوں کے بیٹھنے کے لئے بیٹھک ضرور ہو اس میں۔

ہمایوں۔ یہ تو سب کچھ ہو جائیگا۔ مگر کوئی اس سے بھی بڑی چیز مانگو۔

نظام۔ روپے مانگ لئے۔ مکان مانگ لیا۔ اب اور کیا حضور سے .....

ہمایوں۔ کہو کہو۔ رُک کیوں گئے۔

نظام۔ میں نے کہا ..... راج تو مانگنے سے رہا۔

ہمایوں۔ کیا ہرج ہی۔ مانگ کر تو دیکھو۔ ہمایوں کو تم اسکی زبان سے پھرتا ہوا نہ دیکھوگے۔

نظام۔ باپ رے۔ پر میں راج کا کروں گا کیا۔

ہمایوں۔ اپنے حکم سے جتنی دولت کی ضرورت ہو لے لینا۔ رُوپیہ۔ پیسہ۔ مال دولت غرضیکہ ہر چیز پہ تمھارا قبضہ ہوگا۔

نظام۔ زیادہ روپیہ پیسہ بھی بُرا۔ مجیدا پے تھا کچھ رُوپیہ۔ حمیا پہلوان کا نام تو تم نے سُنا ہوگا۔ چھین کرلے گیا سب کچھ۔ میں نے مجیدا کی طرف داری کی تو دس مجھے سُنائیں۔

ہمایوں۔ پھر تو تمھیں ضرور بادشاہت مانگ لینی چاہیے۔ اپنے دشمن سے اپنی بیعزتی کا بدلہ لے لینا۔ بھرے دربار میں سپاہیوں سے پکڑ بلوانا۔

بیوی۔ سپاہی مان لیں گے ہمارا حکم۔

ہمایوں۔ نہ صرف سپاہی۔ بلکہ میرے وزیر اور میں خود تمھارا حکم مانوں گا

بیوی۔ یہ بات ہے تو فتو کے باپو۔ تھوڑی دیر کے لئے مانگ لو انکا راج۔ پرسوں ہی رجو کی ماں بنا بات مجھسے لڑی تھی۔ میں بھی اسکو ذرا ذرا دھمکا لوں گی

نظام۔ جو تیری مرضی ہے تو کہے دیتا ہوں۔ پر میں جانوں اپنی یہ سب باتیں

دوپہر میں پوری ہو جائیں گی۔

بیوی۔ ہاں زیادہ اپنے بس کا کام بھی نہیں۔ اور پھر ہم نے خدابخش وغیرہ پنچوں سے اس معاملہ میں رائے بھی نہیں لی کبھی بگڑ جائیں اور برادری سے باھر نکال دیں۔

نظام۔ انھیں تو میں راضی کر لوں گا۔ بادشاہ بنتے ہی تھوڑی تھوڑی رقم سب کو بھجوا دوں گا۔ ہو جائیں گے راضی (ہمایوں سے) اچھا حضور۔ آپ ہمیں دوپہر کے لئے اپنا راج دیدیں۔

ہمایوں۔ سب مجھے منظور ہے۔ لو یہ تاج اپنے سر پر رکھو اور تخت پر بیٹھو۔ دوپہر تک یہ وزیر امیر ہمایوں کو نہیں نظام کو ہندوستان کا بادشاہ سمجھیں گے۔

راوی۔ اور ہوا بھی ایسا ہی۔ نظام سقے نے دوپہر تک اس طرح ہندوستان پر حکومت کی جیسے کہ ایک بادشاہ کا حکم چلتا ہے۔ اس نے چمڑے کا سکہ چلوایا۔ جس میں سونے کی کیلیں جڑی ہوئی تھیں۔ اور اپنے عزیز رشتہ داروں کو مالا مال کر دیا۔ اس واقعہ کی یادگار میں حجام کے دائم مثل ہندوستان میں مشہور رہی۔ خیر ادھر تو ہمایوں واپس آگرے آگیا۔ ادھر شیر خاں نے پورے بنگال اور بہار پر قبضہ کر لیا۔ ایک سال کے بعد ہمایوں پھر ایک بڑی فوج لیکر شیر خاں کو شکست دینے کے لیے چلا۔ قنوج کے قریب لڑائی ہوئی اور یہاں ہمایوں کو پورے طور پر ہار دیکھنی نصیب ہوئی۔ بمشکل تمام آگرے پہنچا۔ پھر لاہور کا رخ کیا کہ شاید بھائی کامران کچھ مدد کرے۔ مگر اسے کوئی مدد نہ ملی۔ صرف چند جانثار دوست ساتھ تھے۔ سندھ کے ریگستانوں کو پار کیا کہ شاید جودھپور کے راجہ سے مدد

مل جائے۔ وہاں سے بھی صاف جواب ملا۔ اب امرکوٹ کا رُخ کیا ......
ملکہ حمیدہ بانو بھی ساتھ تھیں کہ اِس مصیبت کے وقت ۱۴ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو ......
(کچھ دیر بچہ کے رونے کی آواز)

باندی۔ حضور مُبارک۔

سب۔ بادشاہ سلامت مُبارک۔

ہمایوں۔ کس بات پر مبارک باد دیجا رہی ہے ہمایوں کو۔

امیر۔ ولیعہد کے پیدا ہونے کی مُبارک باد دیجا رہی ہے حضور کو۔

ہمایوں۔ ولی عہد.... اوہ .... (بچہ کا رونا) مغلانی بچے کو ہمارے پاس لاؤ۔

باندی۔ بہتر حضور .... (جانا)

ہمایوں۔ ولی عہد پیدا ہوا لیکن افسوس کہ آج ہم اپنے بزرگوں کی روایت پر عمل نہ کر سکیں گے

امیر۔ اس سے حضور کا کیا مطلب ہے۔

ہمایوں۔ تمہیں معلوم ہے میرے دوست کہ ہمارے مغلیہ خاندان میں جب بھی کسی بادشاہ کے ہاں ولی عہد پیدا ہوتا ہے تو اس خوشی میں دوستوں کو تحفے اور انعامات دئے جاتے ہیں۔ لیکن ہمایوں آج اس قابل نہیں ہے کہ وہ تمہیں کوئی تحفہ دے سکے۔

امیر۔ حضور کا ہم غلاموں سے اس طرح محبت سے پیش آنا تحفے سے کہیں زیادہ ہے۔

باندی۔ (بچہ لیکر آنا) دیکھئے حضور۔

ہمایوں۔ اوہ... چہرے کی بناوٹ کہہ رہی ہے کہ بچہ بلند اقبال ہوگا۔

امیر۔ ایک اور عرض بھی ہے حضور۔

ہمایوں۔ کہو۔

امیر۔ خواہ اس وقت ہم کیسی ہی حالت میں کیوں نہ ہوں لیکن دربار لگا ہوا ہے
اور اس حالت میں ولی عہد کا نام تجویز کیا جانا ضروری ہے۔

ہمایوں۔ ہم خود اس بات کو سوچ رہے تھے۔ لیکن خاموش تھے۔ کیونکہ....
مگر نہیں ہمارے پاس تحفہ موجود ہے۔ کہاں ہے وہ مشک نافہ۔ ہم اسے ہی
آپ کو تحفے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

امیر۔ خوشبو کی اس چیز کو ہم دنیا کی ہر چیز سے بہتر سمجھیں گے۔ یہ لیجئے... اپنے
مبارک ہاتھوں سے اس خوشبو کو ہم غلاموں میں بانٹ دیجئے۔

ہمایوں۔ سبحان اللہ..... کتنی مست خوشبو ہے۔ تمام ہوا معطر ہو گئی۔ لو میرے
دوستو یہ مشک نافہ آج تحفے کے طور پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی ہم
اس بچہ کا نام اکبر تجویز کرتے ہیں۔

امیر۔ اکبر بہت مبارک نام ہے۔ خدا ہمارے ولی عہد..... کو سلامت رکھے۔

سب۔ آمین۔

ہمایوں۔ میرا دل گواہی دیرہا ہے میرے دوستو۔ کہ جس طرح اس مشک نافہ کی
خوشبو آج ہوا میں چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ کچھ عرصے بعد میرے بچے
اکبر کا نام بھی دنیا میں اسی طرح روشن ہوگا۔

سب۔ خدا کرے ایسا ہی ہو..... آمین

ہمایوں۔ مغلانی۔ بچے کو اندر لیجاؤ۔ ہم ابھی آتے ہیں۔ میرے دوستو۔ اب کچھ

دیر کے لئے آپ بھی آرام کریں۔ اور اپنے غموں کو بھول جائیں۔
(بیوی سے) کیسی طبیعت ہے بیگم۔
بیگم۔ (کم زور آواز میں) شکر ہے..... اچھی ہوں۔
ہمایوں۔ ہمیں یہ سُن کر بڑی خوشی ہوئی کہ تمھاری طبیعت ٹھیک ہے۔ ورنہ ہم سچ کہتے ہیں کہ بھائیوں کی بیوفائی کا ہمیں اتنا افسوس نہیں تھا۔ جتنا تمھارا فکر ہو رہا تھا۔
بیگم۔ (مُسکراکر) آپ تو ایسی ہی باتیں کرتے رہتے ہیں۔
ہمایوں۔ تو کیا تمھیں ہمایوں کی محبت میں کچھ شک ہے۔ اگر تمھارے دل میں ایسا خیال ہی حمیدہ بانو تو اسے اپنے دل سے نکال دو۔ ہمایوں کو جو کچھ ہو تم ہو شیر خاں نے صرف اسکے ملک پر قبضہ کیا۔ لیکن تم نے اُسکے دل اور دماغ غرضیکہ ہر چیز پر قبضہ کیا ہوا ہے۔
بیگم۔ میں کتنی خوش نصیب ہوں کہ خدا نے مجھے آپ جیسا شوہر دیا۔ اچھا اب کیا ارادہ ہے۔
ہمایوں۔ جہاں بہت سی رنجیدہ خبریں سُنتی چلی آئی ہو وہیں ایک خوش خبری بھی سُن لو۔ امرکوٹ کے راجہ نے ہمیں کچھ مدد دینے کا فیصلہ کر لیا ہے تاکہ ہم سندھ کو پھر فتح کرلیں۔
بیگم۔ تو آپ کا کیا ارادہ ہے
ہمایوں۔ کل اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرکے اس بات کا فیصلہ کیا جائے گا کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ لیکن تم بھی تو بتاؤ تمھارا کیا ارادہ ہے۔

بیگم۔ اگر قندھار پہنچ کر بھائی عسکری سے مدد مانگی جائے تو کیسا رہے۔

ہمایوں۔ تمہاری تجویز بھی معقول ہو اور اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

بیگم۔ جی۔ پر یہ سلطنت کا معاملہ ہے اور فوجی سردار ہی اس پر خوب سوچ بچار کر سکتے ہیں۔

ہمایوں۔ سب کچھ ہے۔ مگر مجھے تمھارا بھی خیال ہو کہ تم اس حالت میں کہاں جنگلوں کی خاک چھانوں گی۔

بیگم۔ آپ میرا اتنا زیادہ خیال نہ کیجیے۔

ہمایوں۔ یعنی اس چیز کا خیال چھوڑ دوں جس پر میری زندگی کا دارومدار ہو۔

بیگم۔ آپ کتنے اچھے ہیں۔

ہمایوں۔ اچھا۔ کل جو فیصلہ ہوگا وہ تمھیں بتا دیا جائیگا۔ اب تم آرام کرو۔

راوی۔ ہمایوں کا ستارہ گردش میں تھا۔ قندھار کی طرف چلا۔ یہاں معلوم ہوا کہ اس کا بھائی عسکری جو ظاہرا طور پر اسکے استقبال کے لئے آرہا ہے۔ مگر موقع ملتے ہی ہمایوں کو گرفتار کرنا چاہتا ہو۔ چنانچہ ہمایوں نے چھوٹے بچے اکبر کو پیچھے چھوڑا اور خود ایران کو بھاگا۔ اکبر ظالم چچا کے ہاتھ آیا اور اس طرح ۱۵ سال کے قریب بدنصیب ہمایوں ہندوستان سے جلا وطن رہا ...... اب سُنئے شیر خاں کا حال۔ اسکے متعلق بہت سی باتیں مشہور ہیں۔ اگرچہ یہ ایک بہت سخت بادشاہ تھا۔ لیکن رعایا اور ملک کی بہتری کی باتیں سوچتا رہتا تھا۔ اس نے سڑکیں بنوائیں۔ کنوئیں کھُدوائے۔ درخت لگوائے اور عام لوگوں کے کام آنے والے بہت سے کام کیئے۔ مشہور ہے کہ سڑک اعظم جو کلکتے سے دہلی ہوتی ہوئی پشاور کو جاتی ہے

یہ شیر شاہی کی یادگار ہے۔ دیوانی اور فوجداری کے بہت سے اصول اسی بادشاہ نے بنائے۔ اور زمین وغیرہ کے بندوبست کا جو سرکاری طریقہ اب رائج ہے اس میں شیر شاہی بندوبست کے نشان پائے جاتے ہیں۔ شیر شاہ کو زمینداروں کی خوش حالی کا بہت زیادہ خیال رہتا تھا۔ کاشتکاروں کو اختیار تھا کہ مالیہ خواہ نقدی کی صورت میں ادا کریں خواہ جنس کی صورت میں..... لیکن اسے زیادہ عرصے تک حکومت کرنے کا موقع نہ ملا۔ اور صرف پانچ سال ہی حکومت کی تھی کہ بندھیل کھنڈ میں ایک سُرنگ پھٹنے سے جلکر مر گیا۔ اسکے بعد نو سال اس کے بیٹے سلیم شاہ نے حکومت کی۔ اور پھر محمد عادل شاہ تخت پر بیٹھا۔ یہ بڑا نالائق تھا۔ سلطنت کے بوجھ کو نہ اُٹھا سکا۔ شاہی خزانہ خالی ہو گیا اور جگہ جگہ بغاوتیں پھیل گئیں۔ اسکے دربار میں ایک بہت قابل شخص ہیموں نامی تھا۔ اُس نے ایک حد تک ان بغاوتوں کو دبا دیا۔ مگر پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکا۔

اس عرصے میں ہمایوں کئی برس ایران کے بادشاہ کا مہمان رہا۔ آخر اس شرط پر کہ جب ہمایوں قندھار کو فتح کر لے تو شاہ ایران کے سپرد کر دے۔ شاہ ایران نے چودہ ہزار فوج ہمایوں کو دیکر ایران سے روانہ کیا۔ اب اس کا نصیبہ پھر چمکا۔ اس نے جلد ہی کابل، قندھار اور بدخشان فتح کر لئے اور وعدے کے مطابق قندھار شاہ ایران کے حوالے کر دیا۔ اکبر باپ سے ملا اور کامران گرفتار ہوا۔ کامران قتل تو نہیں کیا گیا لیکن آنکھیں نکلوانے کے بعد مکہ شریف بھیجدیا گیا کہ وہاں باقی عمر خدا کی یاد میں گذار دے۔ خیر کوئی پندرہ برس بعد ہمایوں نے دوبارہ ہندوستان پر چڑھائی کی اور سرہند کے مقام پر سکندر سوری سے مقابلہ ہوا (شور و شر۔ لڑائی کا باجہ)

ہمایوں۔ بہادرو۔ پندرہ برس کے بعد آج خدا نے ہمیں پھر اس قابل بنایا ہو کہ ہم اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ حاصل کریں۔

امیر۔ آپ اطمینان رکھیں حضور۔ ہم مرجائیں گے مگر پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں گے۔

ہمایوں۔ شاباش مجھے تم سے ایسی ہی امید ہے۔ ساتھ ہی یاد رکھو کہ اگر میدان چھوڑ کر بھاگے تو بھاگنے کی صورت میں بھی ہمیں کہیں پناہ نہ ملے گی۔ اس لئے اپنے دشمن پر یہ واضح کر دو کہ مغلوں میں اب پھر وہی جوش بھرا ہوا ہے جو آج سے تیس برس پہلے تھا۔

امیر۔ اور شہنشاہ دیکھیں گے کہ دشمن ہمارے سامنے سے کس طرح بھاگ رہا ہے۔

ہمایوں۔ ہوشیار ہو جاؤ۔ سکندر کی فوج کا ایک دستہ آگے بڑھ آیا ہے۔

(گھوڑوں کی ٹاپ) بلم اور سنلینوں سے ان کا مقابلہ کیا جائے۔

(کچھ دیر شور و شر)

ساتھی۔ حضور غضب ہو گیا۔ ہماری فوج کے پورے دستے کو مغلوں نے گھیر لیا۔

سکندر۔ فوراً دائیں بائیں دونوں بازوؤں سے بہت سے تیر انداز روانہ کر دئے جائیں۔ (گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز) آج ہمایوں یا سکندر۔ دونوں میں سے صرف ایک نہ صرف اس میدان کا بلکہ ہندوستان کا بادشاہ بنے گا۔

ہمایوں۔ تیروں کی بارش ہو رہی ہے۔ تیر کا جواب تیر سے دیا جائے۔ یہی موقع ہے آگے بڑھو اور دشمن کو اپنے پیروں تلے روند دو۔

ساتھی۔ اب کیا ارادہ ہے حضور مغل بڑھتے چلے آرہے ہیں۔

سکندر۔ تخت یا تختہ۔ اب خود مقابلہ کے لئے جاتا ہوں۔

ساتھی۔ لیکن وقت ہمارا ساتھ دیتا دکھائی نہیں دیتا۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہو وقت
ابھی ابھی فوج کو لیکر شوالک کی پہاڑیوں میں چلے جائیں اور وہاں تیاری
کرنے کے بعد پھر ہمایوں سے مقابلہ کی ٹھیرائیں (گھوڑوں کا بھاگنا)

سکندر۔ تجویز معقول ہے۔ اسی پر عمل کیا جائے۔

امیر۔ مُبارک ہو۔ دشمن بھاگ رہا ہے۔

سب۔ شہنشاہ ہمایوں کو ہندوستان کا تخت مُبارک ہو۔

ہمایوں۔ خداوند تیرا شکر ہے کہ تُو نے ہماری چیز پھر ہمیں واپس دی۔ دوستو
آج یہیں قیام کرکے فوج کو انعامات تقسیم کرو۔ خوشیاں مناؤ۔ کل دہلی
کی طرف کوچ کریں گے۔

(ناچ گانا اور ختم)

اکبر اعظم

راوی۔ اس سلسلے کے ڈرامے بابر میں آپ سُن چکے ہیں کہ کس طرح ابراہیم لودھی سے ہندوستان کی حکومت چھین کر بابر ہندوستان کا شہنشاہ بنا۔ لیکن جیسا کہ مشہور ہے کہ چند سال حکومت کرنے کے بعد ہی اپنے بیٹے ہمایوں کی بیماری کے دنوں میں دُعائیں مانگ کر اس کی بیماری اپنے اُوپر لیکر وفات پا گیا۔ اسکے بعد جب ہمایوں نے ہندوستان کی بادشاہت سنبھالی تو بھائیوں کی بیوفائی اور شیر خاں کی جنگی قابلیت کی وجہ سے اس کا ہندوستان میں رہنا دُوبھر ہو گیا۔ اس نے ایران کا رُخ کیا۔ امرکوٹ کے علاقے میں اسکے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اکبر رکھا گیا۔ ہمایوں قندھار کے قریب پہنچا تو معلوم ہُوا کہ اس کا بھائی عسکری اسے گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ہمایوں گھبراہٹ میں اکبر کو پیچھے چھوڑ کر ایران کی طرف بھاگا۔ اِدھر اکبر ظالم چچا کے ہاتھ آیا۔ اُدھر کئی برس تک بدنصیب ہمایوں جلاوطن

رہا۔ لیکن آخر کار ایران سے کچھ فوج لیکر چلا۔ اب قسمت زور پر تھی۔ پہلے کابل اور قندھار فتح کیے۔ اسکے بعد ہندوستان میں سکندر سوری کو شکست دے کر ہمایوں پھر ہندوستان کا بادشاہ بنا۔ لیکن موت نے زیادہ مہلت نہ دی۔ ہمایوں کو شروع ہی سے علم نجوم سے بہت دلچسپی تھی۔ ایک روز قلعہ دین پناہ میں کتب خانہ کی چھت پر مریخ ستارے کا مشاہدہ کر رہا تھا کہ اُترتے وقت اذان کی آواز کان میں آئی۔ ادب سے بیٹھ گیا۔ اُٹھنے لگا تو پاؤں پھسلا اور کئی سیڑھیوں سے لڑھکتا ہوا زمین پر گرا اور اسی صدمے سے ۱۵ برس کی عمر میں تقریباً پچیس برس حکومت کرنے کے بعد اس جہان سے رخصت ہوا۔ ہمایوں کے بعد اسکے بیٹے اکبر نے ہندوستان پر ۵۰ برس سے زیادہ عرصے تک حکومت کی۔ جس وقت اکبر ہندوستان کا بادشاہ بنا تو اس کی عمر چودہ برس کی تھی۔ وہ ہمایوں کی موت کے وقت اسکے پاس موجود نہ تھا بلکہ اپنے اُستاد بیرم خاں کے ساتھ کلانور ضلع گورداسپور میں تھا۔ جونہی یہ خبر بیرم خاں کے پاس پہنچی اُسنے فوراً اکبر کو اپنے پاس بُلایا اور ......

بیرم ۔ اکبر ۔۔

اکبر ۔ جی خان بابا ..... (قریب آکر) کیا حکم ہے۔

بیرم ۔ آج بیرم خاں تم سے چند اہم معاملات پر گفتگو کرنا چاہتا ہے۔

اکبر ۔ فرمائیے۔ لیکن آج آپ کے چہرے سے گھبراہٹ کیسی ظاہر ہو رہی ہے۔

بیرم ۔ اور یہی گھبراہٹ جلدی ہی تمہارے چہرے پر بھی برسنے لگے گی۔ میں تجربہ کار ہوں بہت سے غم جھیل چکا ہوں۔ لیکن تم بچے ہو جو بات میں کہنا چاہتا ہوں یقین نہیں آتا کہ تم اسے برداشت بھی کر سکو گے۔

اکبر۔ میرے خدا... یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ خیریت تو ہے۔

بیرم۔ نہیں۔ اور یہی کہنے کے لئے میں نے تمھیں یہاں بلایا تھا۔

اکبر۔ کیا ہوا... ذرا صاف صاف بتائیے۔

بیرم۔ ایک بہت رنجیدہ خبر ہے اکبر۔ میرے عزیز۔ کیا تم اس رنج پر قابو پاسکوگے۔

اکبر۔ جلد بتائیے وہ کونسی اتنی رنجیدہ خبر ہے۔

بیرم۔ کسی مہربان کے مرنے کی خبر سے زیادہ رنجیدہ خبر اور کیا ہو سکتی ہے اکبر۔

اکبر۔ تو کیا خدا نہ کرے ہمارے کسی مہربان کا انتقال ہو گیا۔ بتائیے۔ وہ کون مہربان ہے۔ ابا حضور تو خیریت سے ہیں نا...

بیرم۔ (خاموش)

اکبر۔ آپ نے خاموشی کیوں اختیار کر لی۔ گردن کیوں جھکا لی۔ جواب کیوں نہیں دیا... خدا کے لئے جلد بتائیے۔ ابا حضور کی طبیعت ٹھیک نا۔

بیرم۔ حضور...... (رونا)

اکبر۔ خاموش نہ ہوجیئے۔ کچھ کہیئے۔ آپ رو رہے ہیں۔

بیرم۔ ہاں میرے اکبر... میں رو رہا ہوں۔ میرا دل رو رہا ہے۔ شہنشاہ اب.....

اکبر۔ اس دنیا میں نہیں رہے.... (رو کر) ابا حضور کا انتقال ہو گیا۔ کیا یہ سچ ہے.. کیا وہ اپنے اکبر کو اکیلا چھوڑ گئے۔.... (رونا)

بیرم۔ خوب جی بھر کر روؤ میرے اکبر۔

اکبر۔ کاش کہ آخری وقت بھی میں اُن کے پاس نہ ہوا۔ وہ مجھے پیار کرتے۔ سینے سے لگاتے (رونا)

بیرم۔ مرحوم شہنشاہ کے انتقال پر تم جتنا بھی روؤ کم ہے۔ لیکن مجھے بھی اپنے آقا کی جدائی کا کچھ کم رنج نہیں ہے۔ (وقفہ)

اکبر۔ اب کیا ہوگا......

بیرم۔ صبر کرنا پڑے گا.... اسکے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔

اکبر۔ مجھ سے تو اب بولا بھی نہیں جاتا بیرم خاں بابا۔ اجازت دیجئے کہ خیمے میں جاکر خوب روؤں۔

بیرم۔ رونے کے لئے تمام عمر پڑی ہے میرے عزیز۔ اب روتے ہوؤں کی ڈھارس بندھانا تمہارا کام ہوگا۔

اکبر۔ یعنی......

بیرم۔ تمہاری ذراسی غفلت سے باپ دادا کا فتح کیا ہوا ملک ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اس لئے رنج پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے ملک کو دشمنوں سے بچانے کی کوشش کرو۔

اکبر۔ میں کمزور ہوں۔ کم عمر ہوں۔ کیا کر سکتا ہوں بیرم خان بابا۔

بیرم۔ تم سب کچھ کر سکتے ہو اکبر۔ جو میں نصیحت کرتا ہوں اُس پر عمل کرو۔ دشمن تمہارا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گے۔

اکبر۔ فرمائیے۔ میں آپ کا ہر حکم ماننے کے لئے تیار ہوں۔

بیرم۔ میں نے کچھ سرداروں سے صلاح و مشورہ کر لیا ہے اور مجھے امید ہے کہ باقی سردار بھی ہمارا ساتھ دیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسی وقت دربار بلا کر تمہاری بادشاہت کا اعلان کر دیا جائے۔

اکبر۔ لیکن ..... کیا ایسا ہو جائے گا۔

بیرم۔ بیرم خاں کے سامنے کسی کی اتنی مجال نہ ہوگی کہ اُف کر جائے صرف شاہ ابوالمعالی کا ڈر ہے کہ وہ تخت کے دعویدار نہ بنجائیں۔ کیونکہ انھیں بھی مرحوم شہنشاہ ہمایوں کے فرزند ہونے کا دعویٰ ہے۔

اکبر۔ اگر ایسا ہوا تو پھر ....

بیرم۔ ہمیں ان کے اس دعوے کی پروا نہیں کرنی ہوگی۔ اگر انھوں نے شرافت سے اکبر کو شہنشاہ تسلیم کر لیا تو خیر۔ ورنہ ان سے بھی وُہی سلوک ہوگا جو اور دشمنوں کے ساتھ کیا جائے گا۔

اکبر۔ یعنی انھیں بھی قتل کر دیا جائے گا۔

بیرم۔ بے شک۔

اکبر۔ نہیں بیرم خان بابا۔ ایسا نہ کرنا وہ مان جائیں گے۔

بیرم۔ بہر حال آج سے آپ شہنشاہ ہیں اور تھوڑی دیر کے بعد سب امیر اور سردار آپ کو بھرے دربار میں شہنشاہ تسلیم کریں گے۔

اکبر۔ میں تمام عمر آپ کو اپنا بزرگ سمجھتا رہوں گا۔ اور میری بجائے آپ سب سیاہ و سفید کے مالک ہوں گے۔

بیرم۔ شہنشاہ اکبر زندہ باد ...... (خوشی کا ساز۔ شور و شر)

راوی۔ اکبر کے تخت پر بیٹھنے کے وقت شاہ ابوالمعالی دربار میں شامل نہ ہو سکے کیونکہ وہ اپنے آپ کو تخت کا وارث سمجھتے تھے سلطنت کے کرتا دھرتا بیرم خاں کو اس بات کا پہلے ہی ڈر تھا۔ چنانچہ انھوں نے ایک چال سے

شاہ ابوالمعالی کو بُلا کر قید کرلیا۔ پر وہ کسی نہ کسی طرح قید سے نکل بھاگے
اسی زمانے میں ہیموں بقال ایک معمولی سا آدمی تھا۔ لیکن اپنی ذاتی لیاقت اور
ابراہیم عادل شاہ کی مہربانیوں سے سپہ سالار بن گیا۔ یہی نہیں بلکہ ادھر اُدھر
کے سرداروں کو جمع کر کے سلطنت کے خواب دیکھنے لگا جب اُسنے ہمایوں
کے مرنے کی خبر سُنی۔ تو یہ سوچ کر کہ چودہ برس کا لڑکا تخت پر ہے اور وہ بھی آگرہ
اور دلی سے دُور سکندر سوری سے اُلجھا ہُوا ہے۔ ہیموں نے آگرے کا رُخ کیا۔ اور
آگرے کے حاکم کو شکست دے کر اس پر قبضہ کرلیا۔ اب ہیموں کا حوصلہ
بڑھا۔ پچاس ہزار فوج، ایک ہزار ہاتھی اور دوسرا بہت سا جنگی سامان ساتھ
لیکر اس نے دہلی پر چڑھائی کر دی۔ تغلق آباد کے میدان میں لڑائی ہوئی۔ اکبری
سردار تردی بیگ کی بے ہمتی سے شاہی فوج ہار گئی اور ہیموں نے دلی پر بھی
قبضہ کرلیا۔ جالندھر میں جب اکبر اور بیرم خاں نے یہ خبر سُنی تو بہت سے سرداروں کو
جمع کر کے مشورہ کیا گیا۔

بیرم۔ حضور ظلِ الٰہی نے دہلی اور آگرے کے متعلق تمام واقعات سُن لئے ہونگے

اکبر۔ ہم نے سب کچھ سُن لیا خانخاناں۔ افسوس۔ ابا حضور کے انتقال کا رنج
ابھی کم نہیں ہوا تھا کہ دہلی اور آگرے کی تباہی کی خبریں سُننے میں آئیں۔

بیرم۔ بیشک یہ ایک بڑی ہار ہے۔ لیکن میرے حضور گھبرائیے نہیں۔ اگر آپ نے
اپنا دل مضبوط رکھا تو یہ ہار ہمیں ایک بڑی جیت کا راستہ دکھائے گی۔
میرے مرحوم آقا شہنشاہ ہمایوں اور شہنشاہ بابر نے کچھ کم مصیبتیں نہیں
اُٹھائی تھیں لیکن ہمت نہ ہارنے کی وجہ سے اپنا کھویا ہوا ملک پھر دشمنوں

سے واپس لے لیا اور مغلیہ سلطنت کا نام زندہ رکھا۔

امیر ۱۔ خانخانان۔ بیشک آپ کی باتیں وزندار ہیں لیکن اس وقت یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم کابل چلے جائیں۔

امیر ۲۔ مجھے بھی امیر صاحب کی رائے سے اتفاق ہے۔ اسوقت ہماری فوج ہیموں سے مقابلہ کرنے کے لئے پُورے طور پر تیار نہیں۔ کابل چلکر تمام تیاریاں مکمل کریں گے، اسکے بعد ہیموں سے مقابلہ کریں گے۔

بیرم۔ یہ بُزدلوں کی سی باتیں ہیں امیر صاحب۔ اگر ہم اس وقت کمزور ہیں تو کیا ہے، ہمارے ارادے تو کمزور نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ اگر ہیموں نے پُورے طور پر قدم جمالئے تو پھر اس کا ہلنا مشکل ہو جائے گا۔

امیر ۱۔ یہ اپنا اپنا خیال ہے خانخانان۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ اس وقت خون بہانے سے کوئی فائدہ نہیں۔

امیر ۲۔ میں اس رائے کی تائید کرتا ہوں۔

بیرم۔ یعنی آپ دنیا پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ آپ بزدل ہیں۔ معاف کیجئے معزز سردار۔ بیرم خاں آپ کی رائے سے کبھی اتفاق نہیں کریگا۔ اس کے علاوہ کابل کوئی ایک دو منزل کے فاصلے پر نہیں۔ یہاں سے سینکڑوں میل دُور ہے۔ اگر ہم اس طرح سر پر پیر رکھکر بھاگے تو بھی زندہ سلامت کابل نہ پہنچ سکیں گے۔

امیر ۱۔ تو اور کیا ہو سکتا ہے۔ اگر وہاں نہ گئے تو یہاں بے موت مارے جائینگے۔ اور یہ ایک طرح کی خودکشی ہو گی۔

بیرم - جب مرنا ہی ٹھیرا تو بزدلی کی موت سے بہادری کی موت ہزار درجہ بہتر ہے دشمن کا وار کمر کی بجائے سینے پر سہنا بہادری کی موت ہے امیر صاحب۔

امیر ۱۔ حضور شہنشاہ کی رائے ابھی تک معلوم نہیں ہوئی۔

اکبر - ہم نے آپ کی بحث سُنی۔ اور ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ خانخانان نے جو کچھ کہا وہ بالکل ٹھیک ہے۔ ہم یہاں سے واپس نہیں جائیں گے۔ دشمن کا مقابلہ کرینگے۔

بیرم - بس تو ہو گیا فیصلہ۔ شاہی لشکر تیار ہو جائے۔ شہنشاہ اسی وقت دہلی کی طرف کوچ کریں گے۔ شہنشاہ اکبر زندہ باد۔

امیر ۱۔ زندہ باد۔

امیر ۲۔ زندہ باد (بہت سی آوازیں۔ گھوڑوں کا دوڑنا جنگی باجہ۔)

اکبر - یہ کونسی جگہ ہے خانخاناں بابا.....

بیرم - تھانیسر۔

اکبر - دشمن کے متعلق کچھ معلوم ہوا کہ اُس کا لشکر کہاں ہے۔

بیرم - ہیموں کا توپ خانہ پانی پت کے میدان میں آگیا ہے۔

اکبر - تو اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔

بیرم - شاہی لشکر کے دُو حصے کر لیتے ہیں۔ ایک حصہ اپنے ساتھ رکھ لیتے ہیں۔ اور دوسرے حصے کو..... کیا خیال ہے حضور کا۔ اگر علی قلی خاں کی ماتحتی میں دشمن کا سر کچلنے کے لئے روانہ کیا جائے۔

اکبر - علی قلی خاں سے بہتر سپہ سالار اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہمیں تمھاری رائے سے اتفاق ہے۔

بیرم - علی قلی خاں ......

علی قلی - جی خانخانان -

بیرم - تم نصف فوج کے سپہ سالار بنائے جاتے ہو - بہادر نوجوان جاؤ - اور ہیموں کے توپخانے کو جس طرح ممکن ہو ٹھنڈا کر دو - اگر توپخانہ ٹھنڈا ہو گیا تو ہماری جیت یقینی ہے -

علی قلی - آپ دیکھیں گے کہ میں آپ کا حکم کس طرح پورا کرتا ہوں -

بیرم - شاباش - تو فوراً ہی روانہ ہو جاؤ اور اس سے پہلے کہ دشمن کی تمام فوج ایک جگہ اکٹھی ہو اُس کو تتر بتر کر دو -

علی قلی - خدا نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا - (بہت سی فوج کا روانہ ہونا - جنگی ساز)

ہیموں - بہادرو - آج نہ صرف موت اور زندگی کا سوال ہے - بلکہ آزادی اور غلامی کا فیصلہ ہونا ہے - ہمیں معلوم ہوا ہے کہ بیرم خاں نے علی قلی خاں کو ہمارے مقابلے کے لئے روانہ کیا ہے - لیکن جس طرح ہم نے آگرے اور دہلی میں مغلو کے دانت کھٹے کئے ہیں ہمیں چاہیئے کہ یہاں بھی ان پر چھا جائیں -

آواز - ہم اپنی گردنیں کٹوا دیں گے - لیکن شاہی فوج کا مُنہ پھیر دیں گے -

ہیموں - اگر ایسا ہوا تو ہیموں سونے اور چاندی سے تمہاری جھولیاں بھر دیگا -

آواز - (بھاگ کر آنا) حضور، حضور ......

ہیموں - کیا ہے -

آواز - غضب ہو گیا - علی قلی خاں نے اچانک ہم پر حملہ کر دیا اور ہمارا توپخانہ چھین لیا -

ہیموں - توپخانہ چھین لیا - یہ میں کیا سُن رہا ہوں - بُزدلو - اس سے پہلے کہ یہ خبر تم

مجھے سُناتے۔ وہیں خاک کا ڈھیر کیوں نہ ہو گئے۔ فوراً تیار ہو جاؤ۔ اور آگے بڑھکر اکبری فوج پر حملہ کر دو۔ گھوڑوں کا دوڑنا۔ لڑائی کا شور)

علی قلی۔ بہادرو۔ ہیموں کا توپ خانہ ہمارے ہاتھ آگیا ہے۔ اب کیا دیر ہے۔ اسی توپ خانے کا رُخ دُشمن کی طرف کر دو۔ (توپوں کا چلنا)

امیر ا۔ علی قلی خاں۔ ہیموں گولوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے ہاتھی کو بڑھائے چلا آرہا ہے اور اسکی وجہ سے اس کی فوج بھی آگے بڑھی چلی آرہی ہے۔

ہیموں (دوسرے مائک پر) فیل بانو، ہاتھی آگے بڑھاؤ اور مغلیہ فوج کو انکے پیروں تلے روند دو (ہاتھیوں کی چنگھاڑ) شاباش۔ یاد رکھو یہ آخری مورچہ ہے، اسکے بعد مغلوں کو کہیں پناہ نہ ملے گی۔

علی قلی۔ توپ خانے کے ساتھ ہی ساتھ تیروں کی بارش شروع کر دو (تیر چلنا)

ہیموں (تیر لگنا) آہ ......

آواز۔ غضب ہو گیا۔ تیر ہیموں کی آنکھ میں لگا ......

علی قلی۔ وہ مارا۔ ہیموں زخمی ہو کر ہودے میں گر پڑا ہے، بہادرو۔ یہی وقت ہے۔ ہیموں کی فوج کا دل ٹوٹ چکا ہے۔ ذراسی ہمت اور دکھاؤ بغیر سردار کی فوج ہے۔ پاؤں اُکھڑ جائیں گے۔

آواز۔ اب کیا کیا جائے (دوسرے مائک پر) بہتر یہی ہے کہ یہاں سے بھاگ جائیں

علی قلی۔ شاباش۔ گھیر لو۔ کوئی بچکر جانے نہ پائے ... (ہائے ... شور و شر)

آواز۔ بھاگو۔ اب یہاں رہنا بیکار ہے۔ (بھاگنا) (وقفہ کا ساز)

بیرم۔ حضور۔ شہنشاہ اکبر کو پہلی فتح مبارک ہو۔

اکبر۔ یہ سب آپ کی محنتوں کا پھل ہی خانخانان بابا۔
علی قلی۔ ہیموں جو زخمی ہو کر گرفتار ہوا ہی۔ شہنشاہ کی خدمت میں حاضر کیا جاتا ہی۔
اکبر۔ حاضر کیا جائے ..... کیوں ہیموں تم نے ہمارا کچھ بھی لحاظ نہ کیا۔
بیرم۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ مرحوم شہنشاہ ہمایوں کے انتقال کا رنج ابھی ہمارے
نوعمر شہنشاہ کے دل پر سے .... کم نہیں ہوا ہی ... ہوں .....
پہلا وار ہے حضور تلوار سنبھالئے ....
اکبر۔ کیا کہا خانخانان بابا۔ مجھے اپنے ہاتھ سے ہیموں کو قتل کرنا ہوگا۔
بیرم۔ جی ہاں۔ تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور وہ ایسا نہ کریں۔
اکبر۔ لیکن یہ تو خود ہی مر رہا ہی اسے کیا ماروں۔ مجھ سے یہ نہ ہوگا .....
بیرم۔ بہرحال بیرم خاں کی تلوار ایسے آدمیوں کو سبق پڑھانا خوب جانتی ہی۔
(تلوار کا وار) (کچھ دیر ساز)

راوی۔ ہیموں کے خاتمے کے بعد کوئی چار برس تک اکبر برائے نام بادشاہ رہا۔ بیرم خاں کا جو جی چاہتا تھا کرتا تھا۔ اکبر کو صرف سیر و شکار سے کام تھا۔ جب تک مشکلوں کا سامنا رہا۔ کسی کو بیرم خاں کی مخالفت کی جرأت نہ ہوئی لیکن جب میدان صاف ہونے لگا تو لوگوں نے بیرم خاں کے خلاف اکبر کے کان بھرنے شروع کر دیے۔ کئی باتوں میں بیرم خاں نے اکبر کی بات کی بھی پروا نہ کی ..... چنانچہ اکبر نے بیرم خاں کے اختیارات ضبط کر لئے اور ستو برس کی عمر میں خود مختار بادشاہ بن گیا۔ بیرم خاں نے اکبر کے خلاف بغاوت کی۔ لیکن جلد ہی معافی مانگ کر اکبر کے قدموں میں آ پڑا۔ اکبر نے معاف کر دیا۔ اور مکے شریف جانیکو کہہ دیا۔

مگر ابھی گجرات تک نہ پہنچنے پایا تھا کہ کسی پرانے دشمن نے خنجر سے اس کا کام تمام کر دیا۔ بیرم خاں سے چھٹکارا پانے کے بعد اب اکبر ملک کے انتظام میں مشغول ہوا اور چند ہی سال کے اندر اندر دہلی۔ آگرہ۔ پنجاب۔ اجمیر۔ گوالیار۔ لکھنؤ اور جونپور وغیرہ اسکے قبضے میں آگئے۔ اس عرصے میں اکبر نے ہندوستان کی بھلائی کے متعلق بہت سی باتیں سوچیں۔ وہ علم کا قدردان تھا۔ اس لئے ہر قوم کے بڑے بڑے عالم فاضل لوگ اس کے دربار میں جمع ہو گئے۔ جب امن و امان کی صورت دکھائی دی تو اس نے ایک بہت ضروری بات کو جو کافی عرصے سے اس کے خیال میں جمی ہوئی تھی، عملی جامہ پہنانا چاہا۔

ملکہ۔ حضور ..... رعایا کی بھلائی کی جو تجویزیں آپ سوچ رہے تھے۔ ان کے متعلق اب کیا ارادہ ہے۔

اکبر۔ وہ ارادہ روز بروز مضبوط ہی ہوتا جا رہا ہے بیگم۔ خدا نے چاہا تو ایک دن ایسا آئیگا کہ ہندوستان سے دوئی کا فرق مٹ جائے گا۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری رعایا ایک دوسرے سے نفرت کرے۔

ملکہ۔ تو کیا میرے سرتاج یہ نفرت دور کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اکبر۔ کیوں نہیں۔ ہمیں خدا سے پوری امید ہے کہ ایک دن ہندوستان کی مختلف قومیں پھوٹ اور جلن کو اپنے دل سے نکال دیں گی۔ ایک کو دوسرے سے محبت ہوگی۔ اور ایک کے دکھ میں دوسرا برابر کا شریک ہوگا۔

ملکہ۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو..... آمین۔

اکبر۔ ہمیں امید ہے کہ ملکہ کی دعا قبول ہوگی۔ اور ایک دن اکبر اپنے ارادے

میں کامیاب ہوگا۔ پھر یہی نہیں کہ صرف ہم اکیلے ہی ہندو اور مسلمانوں کو ایک کرنے کی تجویزیں سوچ رہے ہوں۔ دربار کے کئی معزز اشخاص اس معاملے میں ہمارے ساتھ ہیں۔

ملکہ۔ جی۔

اکبر۔ اوہ...... اس وقت باتوں میں خیال ہی نہیں رہا۔ دربار میں ہمارا انتظار ہو رہا ہوگا۔ اس لئے اب ہمیں وہاں جانا چاہیئے (کچھ دیر ساز۔ پھر شور)

ابوالفضل۔ اہلِ دربار خاموش ہو جائیں اور ادب سے اپنی گردنیں جھکا دیں کہ حضور شہنشاہ معظم تشریف لا رہے ہیں۔

فیضی۔ اکبر اعظم..... (ابوالفضل۔ ٹوڈرمل۔ بیربل) زندہ باد......

ٹوڈرمل۔ مہابلی بادشاہ سلامت..... (ابوالفضل۔ فیضی۔ بیربل) زندہ باد...

اکبر۔ ہندوستان.... زندہ باد۔

ابوالفضل۔ فیضی۔ بیربل۔ ٹوڈرمل (سب ملکر ایک ساتھ) زندہ باد......

اکبر۔ ہم کتنے خوش قسمت ہیں کہ آج ہمارے دربار میں ہندوستان کی ہر قوم کے نمائندے موجود ہیں۔ ہمارے نو رتنوں میں ہندو اور مسلمان سب ہی شامل ہیں۔ جہاں ابوالفضل اور فیضی جیسے ہوشیار اور عقلمند لوگ موجود ہیں۔ وہیں ٹوڈرمل راجہ بیربل اور راجہ بھگوانداس جیسے دیانتدار ہنس مکھ اور جانثار دوست موجود ہیں۔ ہمیں تم سب پر ناز ہے۔

بیربل۔ ایشور..... مہابلی کا سایہ ہمیشہ ہندوستان پر قائم رکھے۔

(ابوالفضل۔ فیضی) آمین۔

اکبر۔ آج ہمیں ہندوستان کے متعلق چند اہم فیصلے کرنے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ سب اہل دربار اس معاملے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔

ٹوڈرمل۔ ہم آپ کے حکموں پر اپنی جانیں قربان کر دیں گے جہاں پناہ۔

ابوالفضل۔ ارشاد فرمائیں حضور والا۔ وہ کونسے احکام ہیں جن پر ہمیں عمل کرنا ہو۔

اکبر۔ ہندوستان اور ہندوستانیوں کا بھلا چاہنا۔ ہم رعایا کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم نے جو ہندوستان کے بہت سے مختلف حصے ایک لڑی میں پروئے ہیں اس سے ہمارا مقصد یہی ہو کہ کسی طرح ہندوستان کی حالت سدھرے سو شکر ہے کہ خدا نے ہمارا چاہا پورا کر دیا۔ یعنی ملک ایک ہو گیا۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ یہاں کے رہنے والے بھی ایک ہو جائیں۔

بیربل۔ مگر یہ فرق کیسے مٹ سکے گا مہاراج۔

اکبر۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہو بیربر۔ اگر آپ سب چاہیں تو ہو سکتا ہو۔

ٹوڈرمل۔ تو حضور ہمیں بتائیں کہ ہم لوگ کیا کریں۔

اکبر۔ سب سے پہلے تو یہ خیال دل سے نکال دو کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں۔

بیربل۔ لیکن جب دونوں کا مذہب اور دھرم علیحدہ علیحدہ ہو تو پھر تو وہ الگ الگ ہی مانے جائیں گے نا مہاراج۔

اکبر۔ مگر کوئی مذہب کسی کو یہ نہیں سکھاتا کہ ایک دوسرے سے نفرت کرو۔ مذہب کا مقصد یہی ہو کہ ہر انسان ایک دوسرے کو بھائی سمجھے اور ایک دوسرے کی مصیبت میں کام آئے۔ آج ہم ایک دوسرے کے خون

کے پیاسے ہیں۔ لیکن اکبر چاہتا ہے کہ خون کے پیاسے خون کے فرق تک کو
بھول جائیں۔

فیضی۔ وہ کیسے ظل الٰہی۔

اکبر۔ آپس میں ہر طرح کا میل جول پیدا کریں۔ ایک قوم دوسری قوم کے تہواروں
میں شریک ہو۔ ہندو مسلمانوں کو اس ملک میں نیا نہ سمجھیں اور نہ ہی
مسلمان ہندوؤں کو اپنا ماتحت جانیں۔

ٹوڈرمل۔ اگر ایسا ہو جائے مہاراج تو کیا ہی کہنے ہیں لیکن گستاخی معاف۔ کچھ
ہندوؤں کو یہ شکایت ہے کہ ان سے جزیہ لیا جاتا ہے۔

اکبر۔ فیضی...... ان کے اعتراض کا جواب دیجیے۔

فیضی۔ بیشک جزیہ لیا جاتا ہے۔ لیکن صرف اسی صورت میں جب کہ کسی قوم
سے فوجی خدمت نہیں لیجاتی۔ اور یہ رقم ہے بھی بہت معمولی تین روپے
سے بیس روپے سالانہ تک.....

ٹوڈرمل۔ میں مانتا ہوں۔ لیکن پھر بھی عام آدمیوں کو اس پر اعتراض ہے۔

اکبر۔ اگر اعتراض ہے تو آج سے یہ جزیہ معاف کیا جاتا ہے۔

ٹوڈرمل۔ مہابلی کی جے ہو۔

اکبر۔ ساتھ ہی ہم چاہتے ہیں کہ ہندوؤں میں ستی کی رسم بند کر دیجائے۔

بیربر۔ یہ مذہب میں دخل دینا ہے مہاراج۔ اسے بند نہ کیجیے۔

اکبر۔ مذہب کبھی کسی پر ظلم کرنا نہیں سکھاتا بیربر۔ یہ صرف ایک رواج ہے کہ
عورتوں پر صدیوں سے ظلم ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اکبر اپنی سلطنت میں عورتوں پر

یہ ظلم نہیں ہونے دے گا۔

ٹوڈرمل۔ لیکن مہاراج، جب عورت کا پتی دنیا سے گذرے گا تو اس کا دنیا میں زندہ رہنا بیکار ہے۔

اکبر۔ اگر مرد کے مرنے کے بعد عورت کا زندہ رہنا بیکار ہو تو اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عورت کے مرنے کے بعد مرد کا زندہ رہنا بھی بیکار ہے کیونکہ عورت اور مرد ایک گھر کے دو ستون یا ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ جواب دو۔ کیا ایک مرد اپنی بیوی کے مرنے کے بعد اسکے ساتھ ستی ہو جانے کے لئے تیار ہو جائیگا۔

بیربل۔ ایسا نہ ہو سکے گا مہاراج۔

اکبر۔ تو پھر یہ پہلا رواج بھی جاری نہیں رہ سکتا۔ آج سے کوئی ہندو عورت زبردستی ستی نہیں کی جائے گی۔

بیربل مہاراج کا حکم سلطنت کے کونے کونے میں پہنچا دیا جائیگا۔

اکبر۔ ساتھ ہی ہم حکم دیتے ہیں کہ بیوہ عورت اگر چاہے تو دوبارہ شادی کر سکتی ہے۔ بچپنے کی شادی جرم قرار دیجاتی ہو۔ کوئی امیر کسی غریب کو نہ ستائے۔ جُرم ثابت ہونے پر کسی کی رعایت نہ کیجائے گی۔ کسانوں اور زمینداروں پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہونے پائے۔ جس حاکم کے متعلق یہ خبر سننے میں آئے گی کہ اس نے کسانوں پر ظلم ڈھایا۔ اسے سخت سزا دیجائے گی۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ رعایا کا ہر شخص ہماری عدالت میں اپنی فریاد پیش کر سکتا ہے۔

فیضی۔ اکبر اعظم۔
(ٹوڈرمل۔ ابوالفضل۔ بیربل) زندہ باد۔
فیضی۔ شہنشاہ معظم......

سب۔ زندہ باد۔
راوی۔ اِس طرح اکبر نے ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں ہندو اکبر پر جان نثار کرنے لگے۔ راجپوت جو پہلے مسلمانوں کے سب سے زیادہ مخالف تھے۔ اب اکبر کی خاطر خون بہانے کو تیار رہتے۔ سلیم جو بعد میں جہانگیر کے لقب سے بادشاہ بنا، وہ جے پور کے راجہ بہاری مل کی لڑکی کے بطن سے تھا جو اکبر کی رانی تھی۔ راجہ مان سنگھ اور راجہ بھگوانداس جو اس رشتہ کی وجہ سے اکبر کے بہت قریبی ہو گئے تھے۔ ان میں سے مان سنگھ اکبر کے سپہ سالار تھے۔ اس طرح اکبر نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں فرق مٹانے کی کوشش کی (وقفہ)
اب سنیئے اکبر کے مذہب کے متعلق۔ کوئی بیس برس تک اکبر سیدھا سادھا مسلمان رہا۔ سلطنت کے ضروری کاموں سے جب بھی فرصت ملتی نماز روزے میں مشغول رہتا۔ مسجد میں جھاڑو دیتا اور خود اذان کہتا۔ ہر سال خواجہ معین الدین چشتیؒ کی درگاہ میں حاضر ہوتا۔ کئی دفعہ اجمیر تک پیدل سفر کیا۔ ایک عبادت خانہ بنوایا۔ جہاں جمعہ کی نماز کے بعد عالم فاضل لوگ جمع ہوتے۔ لیکن ان لوگوں کی آپس میں ناچاقی کی وجہ سے اکبر کے اعتقاد میں فرق آگیا اور یہ چاہتے ہوئے کہ دُنیا کے کل مذہب ایک رنگ اختیار کرلیں اس نے 'دین الٰہی' ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی

وہ جہاں اسلامی طریقوں پر عمل کرتا وہیں ہندوؤں کی بہت سی باتوں پر بھی عمل کرنا شروع کر دیا۔ گو اس کی زندگی میں اکثر آدمی اس کے پیرو بن گئے۔ مگر اس کے انتقال کے بعد یہ نیا مذہب بھی مٹ گیا۔ (وقفہ)

اکبر فرصت کے وقت سیر و شکار سے اپنا دل بہلایا کرتا۔ ہزاروں ہاتھی اور سینکڑوں چیتے پالے ہوئے تھے۔ راجہ بیربر جن کا نام اکبر کے نام کیسا تھ لیا جاتا ہے۔ اکثر ہنسی خوشی اور سیر و تفریح کے وقت اکبر کے ساتھ رہتے تھے اور اپنی باتوں سے اکبر کو خوش کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں ایک دن ایک غریب عورت بیربل کے پاس آئی اور......

عورت۔ مہاراج .... نمستے۔

بیربر۔ نمستے۔ کیا کہنا ہے مائی۔

عورت میں بہت غریب ہوں۔ کئی لڑکیوں کی شادی کرنی ہے۔ پیسہ پاس نہیں۔ اگر مجھے کچھ روپیہ مل جائے تو میرا فکر دُور ہو جائے۔

بیربر۔ روپیہ پیسہ چیز تو ایسی ہی ہے کہ اسکے ملنے سے سب فکر واقعی دُور ہو سکتے ہیں لیکن دیں تو کہاں سے دیں۔

عورت۔ ایشور نے آپ کو بہت کچھ دے رکھا ہے بیر بر مہاراج۔ اگر مجھ پر تھوڑی سی بھی دیا کر دیں تو میرا بیڑا پار ہو جائے۔

بیربر۔ بیشک روپیہ ایشور نے مجھے ضرور کافی سے زیادہ دیدیا ہے لیکن اس لئے تو نہیں کہ میں لٹا دُوں۔ اگر تُوں ہر آئے گئے کو روپیہ دوں گا تو تیرے ساتھ ہی میرا بیڑا بھی پار ہو جائے گا۔

عورت۔ ایسا نہ کہیئے سرکار۔ میں تو آپ کے پاس بہت امید لیکر آئی تھی۔

بیربر۔ جو آتا ہے یہی کہتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ لوگوں نے کیا سمجھ لیا ہے۔ میرے پاس خزانہ تو گڑا ہوا نہیں جو میں لٹا دوں گا۔ اچھا مائی مجھے دربار میں جانا ہے۔

عورت۔ (آہ بھر کر) جائیے بیربر جی۔ دربار میں حضور بادشاہ سلامت کے پاس جا رہے ہیں آپ۔

بیربر۔ ہاں۔

عورت۔ تو وہیں سے کچھ دلوا دیجئے۔

بیربر۔ تمھیں تو کچھ ملنا چاہیئے۔ چاہے کسی طرح سے ملے۔ (سوچتا) ہوں۔ یہ ٹھیک ہے۔ وہاں کس چیز کی کمی ہے۔ اچھا مائی کیا یاد رکھے گی۔ تیرا بیڑا تو وہاں سے پار ہو ہی جائے گا۔

عورت۔ وہ کیسے۔

بیربر۔ یہ بتانے کی فرصت نہیں۔ ہاں جھولی تیری بھر ہی جائیگی۔ لے اب تو یہاں سے کھسک جا۔ بس سمجھ لے جتنی رقم چاہتی ہے۔ تجھے مل جائے گی لیکن کچھ دیر صبر کر۔

عورت۔ بہت اچھا۔ (وقفے کا ساز اور پھر گانا)

اکبر۔ خوب تان سین۔ ہم تم سے بہت خوش ہوئے۔ تم نے ہندوستان کی موسیقی کو ایک نئے رنگ میں رنگ دیا۔

بیربر۔ واقعی مہاراج یہی بات ہے۔

اکبر۔ تمھیں پسند آیا بیربر یہ گانا۔

بیربر۔ جی سرکار۔ کیوں نہیں۔ اور شیخ صاحب تو ابھی تک اسی دُھن میں مگن ہیں
اکبر۔ ابوالفضل، بیربر کا یہ اشارہ تمہاری طرف ہے۔
ابوالفضل۔ میں سمجھ گیا ہوں عالم پناہ۔
بیربر۔ حضور سچ تو یہ ہے کہ جس طرح سوکھے ہوئے کھیتوں میں بارش ہو جاتی ہے
اور وہ پھلنے پھولنے لگتا ہے۔ اسی طرح گانا دماغ کو تازگی پہنچاتا ہے ورنہ
میرا خیال تھا کہ آج میں بالکل ہی گم سم رہوں گا
اکبر۔ کیوں ...... آج کیا بات تھی۔
بیربر۔ کچھ نہیں جہاں پناہ ..... ویسے ہی .....
ابوالفضل۔ ضرور کوئی نہ کوئی بات ہے راجہ صاحب۔
بیربر۔ نہیں شیخ صاحب۔ جی ..... بس .....
اکبر۔ کہہ ڈالو ہم سے بیربر جو تمہارے دل میں ہے۔ اکبر تمہیں اپنا دوست سمجھتا
ہے۔ پھر دوست سے دل کا حال چھپانا یہ کہاں کی عقلمندی ہے۔
بیربر۔ یہ بات نہیں مہاراج۔ مہابلی سے تو کوئی بات چھپائی نہیں جا سکتی۔
سُن لیجئے۔ تنگ کر رکھا ہے مہاراج غریبوں نے۔ یہ چاہتے ہیں کہ امیروں
کی دولت پران کا قبضہ ہو جائے۔
اکبر۔ ضرور کوئی آج آپ سے سوال کر بیٹھا ہے۔
بیربر۔ جی ..... لیکن .....
اکبر۔ کیا جواب دیا آپ نے۔
بیربر۔ جی ...

ابوالفضل۔ میں عرض کروں حضور۔ راجہ صاحب نے صرف زبانی جمع خرچ میں اس کا سوال پورا کر دیا (سب کا ہنسنا)

بیربر۔ تو اور کیا مہاراج۔ اب میں کس کس کا سوال پورا کروں گا۔

اکبر۔ کون تھا وہ غریب۔

بیربر۔ ایک عورت تھی۔ اپنی لڑکیوں کی شادی کے لئے کچھ مانگتی تھی۔

اکبر۔ اور اس کا دل تم نے توڑ دیا۔ بڑا کیا بیربر تم نے۔ کیا گزری ہوگی اس بیچاری پر۔ وہ ہماری رعایا ہے۔ بادشاہ رعایا کا باپ ہوتا ہے۔ شاہی خزانے سے جتنے روپے کی اسے ضرورت ہے لیجاؤ اور اسے دیدو۔

ابوالفضل۔ حضور نے اس پر بڑا کرم کیا۔

اکبر۔ نہ جانے اور کتنے غریب ہوں گے جنھیں اسی طرح روپے پیسے کی ضرورت ہوگی راجہ ٹوڈرمل۔

ٹوڈرمل۔ مہاراج۔

اکبر۔ عبادت خانے کے نزدیک جو تالاب انوپ تلاؤ کے نام سے مشہور ہے فوراً صاف کرا دیا جائے۔

ٹوڈرمل۔ اس سے مہابلی کا مقصد۔

اکبر۔ یہی کہ اب انوپ تلاؤ پانی سے نہیں روپے اور اشرفیوں سے بھرا جائے گا اور یہ دولت ہماری پیاری رعایا کے غریب لوگ اسی طرح جھولیاں بھر بھر کر لیجائیں گے جس طرح اس تالاب سے پانی بھرتے ہیں۔

ٹوڈرمل۔ حضور۔ اس طرح تو سلطنت کا تمام خزانہ خالی ہو جائے گا۔

اکبر۔ کوئی پرواہ نہیں لیکن غریب لوگ تو خوشحال ہو جائیں گے۔ فوراً ہی اس حکم پر عمل

کیا جائے۔ (ساز) (وقفہ)

ٹوڈرمل۔ مہاراج سترہ کروڑ کا خزانہ بھر چکا ہے مگر اناپ تلاؤ ابھی تک نہیں بھرا۔

اکبر۔ اسے بھر دو ٹوڈرمل۔ چاہے تمام مغلیہ سلطنت کے خزانے خالی ہو جائیں

ٹوڈرمل۔ جو حکم مہاراج۔

اکبر۔ ہم کتنے خوش ہیں کہ آج ہمارا چاہا پورا ہو رہا ہے۔ جس نے چاندی نہیں دیکھی ہو گی وہ اب سونے اور اشرفیوں سے اپنی جھولی بھر کر لیجائیگا۔

(وقفے کا ساز۔ ہجوم کا شور وشر)

غریبو یہ دولت تمہاری ہے۔ لیجاؤ جس طرح بھی لیجا سکتے ہو۔ (شور وشر)

عورت۔ (دور سے) ذرا یہ اٹھوا دیجئے بیربر جی۔

بیربر۔ ادی کیا بھر لیا اس برتن میں ...... اشرفیاں ... اوہوں ... یہ تیرے سے کیسے چل سکیں گی۔

عورت (دور سے) میں سب اٹھالوں گی۔ آپ تو ہاتھ لگوا دیجئے۔

اکبر۔ آج ہماری زندگی کا مقصد پورا ہو گیا۔

ابوالفضل۔ شہنشاہ معظم ......

فیضی۔ بیربر۔ ٹوڈرمل۔ زندہ باد۔ (سب مل کر)

ٹوڈرمل۔ ہندوستان کی بھلائی چاہنے والے اکبر اعظم ...

سب۔ زندہ باد ...... (کچھ دیر ساز۔ اور ختم)

"جہانگیر"

راوی۔ اس سے پہلے آپ اس سلسلے کے ڈراموں میں بابر۔ ہمایوں اور اکبر کی زندگی کا حال سُن چکے ہیں۔ ان ڈراموں میں آپ کو یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ کس طرح بابر نے ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔ بابر کے بعد ہمایوں تخت پر بیٹھا۔ لیکن شیر شاہ کی جنگی قابلیت اور بھائیوں کی بے وفائی کی وجہ سے وہ ایران سے چلے جانے پر مجبور ہوا۔ شیر شاہ کے مرنے کے کچھ عرصہ بعد اس نے پھر ہندوستان پر چڑھائی کی۔ اور اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس لے لیا۔ مگر عمر نے وفا نہ کی۔ اسکے بعد اکبر جس کی عمر ابھی چودہ ہی برس کی تھی تخت پر بیٹھا۔ شروع میں اکبر کو دشمنوں نے سخت پریشان کیا۔ لیکن بیرم خاں کی عقلمندی نے راستے کے سب کانٹے دور کر دئے۔ اکبر بہت عقلمند بادشاہ تھا اس نے جلد ہی یہ اندازہ لگا لیا کہ ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد ایک نہایت

ضروری چیز ہے۔ اکبر کو رعایا کا بہت خیال تھا۔ اس نے بہت سے قانون ایسے بنائے جن سے اس کی تمام رعایا خوشحال ہوگئی۔ آخر کوئی پچاس سال حکومت کرنے کے بعد سنہ ۱۶۰۵ء میں اکبر اس جہان سے رخصت ہوا (وقفہ) اکبر کے کئی بیٹے تھے۔ مگر اس کے خیال میں کوئی بیٹا بھی اس لائق نہ تھا کہ وہ سلطنت کا بار سنبھال لیتا۔ بڑا لڑکا سلیم تھا اور اکبر کو اس سے بہت محبت تھی۔ مگر یہ اکثر شراب میں مدہوش رہتا تھا۔ راجہ مان سنگھ کی بہن سے سلیم کی شادی ہوئی تھی۔ اس سے ایک لڑکا تھا جس کا نام خسرو تھا۔ خسرو کو اکبر کے زمانے ہی میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ باپ کی بجائے تخت سلطنت مجھے ملنا چاہیئے۔ اس نے باپ کے خلاف بغاوت بھی کی۔ ماں نے بہتیرا سمجھایا مگر خسرو نہ مانا۔ گو بہت سے امیر اور سردار بھی اسکے ساتھ ہو گئے تھے، مگر شہزادہ سلیم جس کو اکبر نے اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ اکبر کے بعد جہانگیر کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ خسرو نے پھر بغاوت کی۔ مگر قید ہوا اور سولہ برس قید میں رہنے کے بعد دکن میں مارا گیا۔ جہانگیر کی شراب نوشی کی وجہ سے لوگ اس سے ڈرتے تھے۔ مگر کسے خبر تھی کہ وہ تخت پر بیٹھتے ہی ایک نئے سانچے میں ڈھل جائیگا اور بائیس برس تک اس شان سے حکومت کرے گا کہ دیکھنے والے دنگ رہ جائیں گے۔ تخت پر قدم رکھتے ہی جہانگیر نے سب سے پہلا جو کام کیا وہ یہ تھا۔

(کچھ شور اور اس کے بعد)

نقیب۔ اہلِ دربار! ادب سے اپنی گردنیں جھکا دو۔ کہ ہندوستان کے شہنشاہ

اعلیٰ حضرت نورالدین محمد جہانگیر دربارِ عام میں تشریف لا رہے ہیں۔

امیر۔ شہنشاہ جہانگیر (سب مل کر) زندہ باد۔ سلطنت مغلیہ زندہ باد۔

جہانگیر۔ سلطنت مغلیہ پر اپنی جانیں قربان کر دینے والے بہادرو اس سے پہلے کہ دربار کی کارروائی شروع کی جائے، ہم یہ اعلان کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے ہندو مسلم اتفاق اور اتحاد کی جس داغ بیل پر سلطنت مغلیہ کی بنیاد رکھی تھی اسی پر سلطنت کی یہ عمارت قائم رہیگی۔ ہم خوش ہیں کہ ہمارے دربار میں ہندوستان کی ہر قوم کے نمائندے شامل ہیں۔ ابا حضور کی طرح ہماری بھی یہی کوشش ہوگی کہ رعایا کی بھلائی کے لئے ہر ممکن قدم آگے بڑھائیں۔

امیر۔ ہم رعایا کی طرف سے یقین دلاتے ہیں کہ رعایا بھی عالم پناہ کے حکم پر اپنا سر جھکائے گی۔

جہانگیر۔ ہم نے سنا ہے کہ اکثر سرکاری ملازم اور امیر لوگ غریبوں پر ظلم ڈھاتے ہیں اور انھیں ناجائز طور پر دباتے ہیں۔ ہمیں اس کا افسوس ہے حکم دیا جاتا ہے کہ آج سے کوئی طاقتور کسی کمزور کو نہ ستائے۔ ہم فریادی کی فریاد دن ہو یا رات ہر وقت سننے کے لئے تیار ہیں۔ فوراً ایک زنجیر عدالت بنوائی جائے۔ اس کا ایک سر محل کے اندر رہو اور دوسرا محل کے باہر۔ ہر فریادی کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ جس وقت بھی چاہے اس زنجیر کو کھینچکر محل کی گھنٹیوں کو ہلائے اور اپنی فریاد ہمارے پاس پہنچائے۔ ہم ہر مظلوم کی فریاد سنیں گے اور ظالم کو پوری پوری

سزا دیں گے۔

امیر۔ شہنشاہ معظم زندہ باد۔

جہانگیر۔ جس قدر قیدی قلعوں اور جیل خانوں میں قید ہیں سب آزاد کر دیئے جائیں۔ ہر بڑی آبادی میں شفا خانے قائم کیے جائیں۔ سڑکوں کے کنارے کنوئیں کھدوائے جائیں اور سرائیں تعمیر کی جائیں تاکہ مسافروں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ دریاؤں پر پُل بنوائے جائیں۔ اور خشک علاقوں میں تالاب کھدوانے کا خاص انتظام کیا جائے۔

امیر۔ ایسا ہی کیا جائے گا سُلطانِ عالم۔ خادم تمام اہلِ دربار کی طرف سے یقین دلاتا ہو کہ شہنشاہ کے حکموں کی جلد سے جلد تعمیل کیجائے گی۔

(کچھ دیر ساز)

راوی۔ اس طرح چند ہی دنوں میں جہانگیر نے یہ ثابت کر دیا کہ اپنی رعایا کیلئے وہ بھی اپنے باپ اکبر کی طرح کچھ کم مہربان بادشاہ نہیں ہے۔ انصاف کے معاملے میں وہ کسی کی رعایت نہ کرتا تھا۔ مجرموں کو پوری پوری سزائیں دیجاتی تھیں ...... ان ہی دنوں ایک ایسا واقعہ ہوا جس کا جہانگیر کی ساری زندگی پر اثر پڑا (اس سے پہلے نور جہاں ڈرامے میں آپ سُن چکے ہیں کہ) اکبر کے دربار میں مرزا غیاث نامی ایک معزز عہدیدار تھے۔ ان کی ایک لڑکی تھی جس کا نام مہر النسا تھا۔ جوان ہو کر ایسی خوبصورت نکلی کہ دنیا میں شاید ہی کوئی اس جیسا خوبصورت ہو گا۔ شاہی محلوں میں آنا جانا تھا۔ ایک دن اتفاق سے شہزادے سلیم نے اسے دیکھ لیا اور ہزار جان سے اس پر عاشق ہو گئے۔ چاہا کہ شادی

ہو جائے ۔ مگر اکبر کو یہ رشتہ پسند نہ تھا ۔ چنانچہ علی قلی خاں عرف شیر افگن سے اس کی شادی کر دی گئی ۔ سلیم کو یہ بات بہت ناگوار گذری ۔ باپ کے سامنے تو کوئی زور نہ چل سکا لیکن باپ کی وفات کے بعد بادشاہ بنتے ہی مہر النساء کو پانے کی دھن سوار ہوئی ۔ ایک لڑائی میں شیر افگن مارا گیا ۔ اور مہر النسا محل میں لائی گئی ۔ اس نے چھ سال تک جہانگیر سے بات نہ کی ۔ مگر اسکے بعد جب غصہ کم ہو گیا تو بادشاہ سے شادی کر کے اس کی چہیتی بیوی بن گئی ۔ اور ملکہ نور جہاں کا لقب پایا ۔ نور جہاں جتنی خوبصورت تھی اتنی ہی عقلمند بھی تھی ۔ رفتہ رفتہ نور جہاں شہنشاہ جہانگیر کے دل پر ہی نہیں اس کی سلطنت پر بھی حکومت کرنے لگی ۔ ان ہی دنوں یورپ کی کچھ تجارت پیشہ قوموں نے ہندوستان کی خوشحالی کا حال سُنکر اسے اپنا تجارتی اڈا بنانا چاہا اور یہاں سے کچھ ساحلی علاقوں میں مال لاکر فروخت کرنا شروع کر دیا ۔ انگریز اور پرتگالی زیادہ دولت مند اور زور دار تھے لیکن ان دونوں میں جلد ہی پھوٹ پڑ گئی اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے پرتگالی یہ نہیں چاہتے تھے کہ انگریز ہندوستان میں تجارت کریں ۔ چنانچہ انھوں نے انگریزوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا ۔ آخر ایک دن جب کہ شہنشاہ جہانگیر کا دربار لگا ہوا تھا اور

(ناچ گانا)

دربان ۔ شہنشاہ کا اقبال بلند رہے ۔ دوست نہال اور دشمن پامال ہوں ۔ برطانوی شہنشاہ نے اپنے ایک دوست سر طامس رو کو ایک سفیر کی حیثیت سے حضور کے دربار میں بھیجا ہے ۔ سر طامس رو باریابی کی اجازت چاہتے ہیں ۔

جہانگیر۔ اجازت ہے (دربان کا جانا۔)

سرطامس۔ سرطامس شہنشاہ ہند کی خدمت میں آداب بجا لاتا ہے۔

جہانگیر۔ آنے کا مقصد بیان کرو سرطامس۔

سرطامس۔ میں اپنے بادشاہ جیمز اول کی طرف سے مغل شہنشاہ کے حضور میں حاضر ہوا ہوں۔ ہماری قوم کے کچھ لوگ ہندوستان میں تجارت کی غرض سے آئے ہوئے ہیں۔ لیکن پرتگالیوں کی مخالفت کی وجہ سے ہم سخت پریشان ہیں۔ پرتگالی چاہتے ہیں کہ ہماری تجارت ہندوستان سے ختم ہو جائے۔ وہ قدم قدم پر ہماری مخالفت کرتے ہیں۔ اور ہمیں نقصان پہنچاتے ہیں۔

جہانگیر۔ ہوں۔

سرطامس۔ شہنشاہ ہند ہمارے بادشاہ اور ہماری قوم کو پورا پورا یقین ہے کہ آپ ہماری سرپرستی منظور فرمائیں گے اور بندے کو دربار سے نا امید نہ لوٹائیں گے۔

جہانگیر۔ کیا چاہتے ہو۔

سرطامس۔ انگریز سوداگروں کو کچھ رعائتیں دیجائیں تاکہ وہ اطمینان سے تجارت کر سکیں۔

جہانگیر۔ ہم نے تمھاری درخواست قبول کی۔ ہمیں بتاؤ کہ انگریز سوداگر کون سے علاقے کو پسند کرتے ہیں۔

سرطامس۔ اگر سورت کے علاقے میں خادموں کو آسانیاں پہنچائی جائیں تو ہم

حضور کا یہ احسان کبھی نہ بھولیں۔

جہانگیر۔ اجازت دیجاتی ہے کہ آج سے سورت میں انگریز سوداگر من مانی کارروائی کر سکیں گے۔ تجارت پرتگالی بھی کریں لیکن انھیں حکم دیا جاتا ہے کہ وہ انگریزوں کی مخالفت نہ کریں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہندوستان میں ایک قوم دوسری قوم پر زیادتی کرے۔

وزیر۔ شہنشاہ کے اس حکم پر فوراً ہی عمل کیا جائیگا۔

جہانگیر۔ سرطامس رو۔ اپنے بادشاہ کو لکھدو۔ صرف سورت ہی سورت نہیں۔ ہم تمھیں کچھ اور علاقوں میں بھی تمھاری کوٹھیاں بنانے کی اجازت دیں گے۔ تمھارے تجارتی مال پر محصول کم کردیا جائے گا۔

سرطامس۔ میری قوم ہمیشہ حضور کو دعاؤں سے یاد کرے گی۔

جہانگیر۔ ہمارے پاس رہو سرطامس اور دربار میں آیا کرو۔

سرطامس۔ مجھے اپنی خوش نصیبی پر ناز ہو۔ (ساز اور پھر گانا)

نورجہاں۔ سبحان اللہ۔ خوب گلا پایا ہو تم نے۔ لو یہ ہار اپنا انعام۔

سہیلی ۱۔ وقت کے لحاظ سے بھی بہترین غزل سنائی۔ کالی کالی گھٹائیں بادلوں کا اُمنڈ اُمنڈ کر آنا (بادل کی گرج) اور پھر اسکی میٹھی تان۔

نورجہاں۔ جیسے ایک باغ تھا اور اس میں بلبل چہک رہی تھی۔

سہیلی ۲۔ ایک عرض کروں ملکۂ عالم۔

نورجہاں۔ کہو۔

سہیلی ۲۔ اسوقت اس موسم سے لطف نہ اُٹھانا گویا خدا کی نعمت سے منہ موڑلینا ہو

نورجہاں۔ معمے حل کر رہی ہو ہم سے۔ صاف صاف کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔
سہیلی ۲۔ غور فرمائیے نا۔ یہاں سے ان اُودے اودے بادلوں کی بہار حضور
پورے طور پر نہیں دیکھ سکتیں۔ محل کی چھت پر چلیے اور اس بہار کا لُطف
پورے طور پر اُٹھائیے۔
سہیلی ۱۔ بات تو ٹھیک ہے۔ ملکہ عالم۔ اوپر کی منزل پر ہی چلیئے۔
نورجہاں۔ اگر تمھارا یہی ارادہ ہے تو چلو (ہنستے ہوئے چلنا دوسرے مائک پر)
سہیلی ۲۔ دیکھیے کیا عرض کیا تھا میں نے آپ سے۔
نورجہاں۔ تم سچ کہہ رہی تھیں۔ واقعی بڑا پُر لُطف موسم ہے۔
سہیلی ۱۔ پر ایک جگہ کھڑے رہنے کی شرط نہیں۔ ٹہناہی پر ٹہلیے اور اس اچھے موسم
کا لُطف اُٹھائیے۔
نورجہاں۔ آؤ اس برج پر چلیں (دوسرے مائک پر) شہر کی سب عمارتیں یہاں سے
دکھائی دیتی ہیں۔
سہیلی ۱۔ جی ہاں۔
سہیلی ۲۔ اور حضور وہاں اس جگہ چلکر دریا کے پانی کا نظارہ بھی تو ملاحظہ فرمائیے۔
نورجہاں۔ خوب یاد دلایا۔ چلو ...... (دریا کا بہاؤ) یہ کیا۔ وہ کون بدتمیز۔ مُنھ
اوپر کو اٹھائے دیکھ رہا ہے۔
سہیلی ۱۔ کوئی مرد ہے۔
نورجہاں۔ لیکن اپنی زندگی سے ہاتھ دھو چکا ہے۔ کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ ملکہ
کی طرف آنکھ اُٹھانا جُرم ہے اور اس کی سزا موت ہے۔

سہیلی ۱۔ اب تک ڈھٹائی سے دیکھے جا رہا ہے۔

نورجہاں (غصّے سے) ہماری بندوق لاؤ۔

سہیلی ۲۔ ملکہ عالیہ۔

سہیلی ۱۔ حضور۔

نورجہاں۔ ہم کہتے ہیں ہماری بندوق لاؤ۔ زبان پر کوئی لفظ سفارش کا نہ آنے پائے

سہیلی ۲۔ جو حکم (جانا اور آنا) یہ لیجیے بندوق ....

نورجہاں۔ سامنے سے ہٹ جاؤ۔ ابھی وہ اپنی بے غیرتی کی سزا پائے گا۔

(بندوق کا چلنا) (کسی کا آہ کر کے تڑپنا) (وقفہ)

جہانگیر۔ (چلکر آنا) کیا کر رہی ہو پیاری نورجہاں۔

نورجہاں۔ اوہ۔ حضور تشریف لے آئے۔ انتظار کرتے کرتے آنکھیں پتھرا گئیں آج

تو میرے سرتاج کافی دیر تک دربار میں رہے۔

جہانگیر۔ آج کئی ضروری باتیں تھیں۔ اسی لئے ہمیں دیر ہو گئی۔ شہزادہ خرم نے اودے

پور کے مورچہ پر جو بہادری دکھائی ہے وہ تمام حال تمھیں معلوم ہی ہے۔

نورجہاں۔ جی۔

جہانگیر۔ آج بھرے دربار میں ہم نے خرم کو تیس ہزاری منصب عطا کرنے کے ساتھ

ہی شاہ جہاں کا خطاب دیا ہے۔

نورجہاں۔ تب تو خرم خوشی سے پھولے نہ سمائے ہوں گے۔

جہانگیر۔ اور کیا۔ میرا شاہجہاں ہندوستان کے لئے ایک رحمت ثابت ہوگا۔

نورجہاں۔ کیوں نہیں۔ ضرور (اتنے میں زور زور سے بہت سے گھنٹے بجنے شروع

ہوئے) کسی نے آپ کو پکارا۔

جہانگیر۔ ضرور کسی پر ظلم ڈھایا گیا۔ ہمیں جلد سے جلد مظلوم کی فریاد سُننی چاہیے۔
گھنٹوں کی آوازیں اور تیز ہو جاتی ہیں)

بوڑھا۔ (زور سے پکار کر) حضور..... انصاف۔

جوان۔ جہاں پناہ انصاف۔

عورت۔ بادشاہ سلامت کی دہائی ہے۔

جہانگیر۔ ہم آگئے تمھاری فریاد کو سنکر۔ بیان کرو تمھیں کس نے ستایا۔

بوڑھا۔ ملاحظہ فرمائیے حضور والا۔

جہانگیر۔ یہ۔ لاش۔ یہ کس کی لاش تم نے کاندھوں پر اُٹھائی ہوئی ہے۔

بوڑھا۔ میرے بڑھاپے کا سہارا۔ میرا بڑا لڑکا۔

جوان۔ میرا دایاں بازو۔ میرا بڑا بھائی۔

عورت۔ میرا مالک۔ میرا سُہاگ۔

بچّہ۔ مجھے پیار کرنے والا۔ میرا باپ۔

جہانگیر۔ کس ظالم نے تمھارے باپ کو تم سے جُدا کر دیا پیارے بچّے۔

بچّہ۔ (روتے ہوئے) ابّا۔ ابّا۔

جہانگیر۔ تمھارا سُہاگ کس نے اجاڑ کر تمھیں بیوہ بنا دیا مظلوم عورت۔

عورت۔ (رونا)

جہانگیر۔ تمھارا بازو کس بیدرد نے کاٹ دیا جوان۔

جوان۔ (روتے ہوئے) بھیّا۔

جہانگیر۔ تمھارے بڑھاپے کی لاٹھی کس نے چھین لی بڑے میاں .... تم سب خاموش کیوں ہو۔ ظالم کا نام زبان پر لاتے ہوئے نہ ہچکچاؤ۔

بوڑھا۔ کیا کہیں حضور۔

جہانگیر۔ زبان پر لے آؤ اس کا نام جو تم نے دل میں چھپایا ہوا ہی فریاد یو۔ تمھارے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔

جوان۔ بیشک حضور انصاف کریں گے۔ مگر.....

جہانگیر۔ سمجھے۔ وہ کوئی بڑا آدمی ہو اور تم ڈر کیوجہ سے اسکا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے پر ہم تمھیں یقین دلاتے ہیں کہ اب وہ تمھارا کچھ نہ بگاڑ سکیگا۔ وہ ہمارے سامنے حاضر کیا جائیگا اور انصاف کیوقت ہم سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔

بوڑھا۔ (روتے ہوئے) نام ہی معلوم کرنا چاہتے ہیں حضور والا تو سُن لیجیے۔ میرے بیٹے کا خون ملکہ نے کیا ہے۔

جہانگیر۔ ملکہ نے۔

جوان۔ جی ہاں۔ ملکہ صاحبہ ہی نے میرے بھائی کو مجھ سے جدا کیا ہی۔

عورت۔ انھوں نے میرا سہاگ اجاڑا ہی۔

بچہ۔ میرے ابا کو انھوں نے ہی مجھ سے چھینا ہے۔

جہانگیر۔ مگر کیسے۔ کب۔ کس وقت۔ کہاں۔

بوڑھا۔ ابھی کچھ دیر ہوئی۔

جوان۔ ہم دریا کی طرف جا رہے تھے۔ اتنے ہی میں سامنے محل کی چھت پر ملکہ صاحبہ دکھائی دیں۔ انکے ہاتھ میں بندوق تھی۔ انھوں نے نشانہ لیکر بندوق داغدی۔

عورت۔ اور میرے شوہر نے (روکر) فوراً ہی تڑپ کر جان دے دی۔

بچہ۔ ابا اس وقت سے نہیں بولے .....

جہانگیر۔ تو گویا ملکہ نے تم پر یہ ظلم ڈھایا۔ ملکہ اسکی قاتل ہیں۔ انھوں نے جان بوجھکر ایک انسان کی جان لی۔

جوان۔ بوڑھا۔ عورت (سب کا ملکر رونا)

جہانگیر۔ قانون ملکہ اور رعایا دونوں کے لئے یکساں ہے۔ اگر انھوں نے یہ جرم کیا ہے تو انھیں عام مجرموں کی طرح سزا دیجائے گی۔ کوئی ہے (گھنٹہ بجانا)

نقیب۔ حضور۔

جہانگیر۔ محل کی زنانہ پہریداروں کو حکم دو کہ ملکہ نورجہاں کو حراست میں لے لیا جائے عدالت میں انکے خلاف خون کا مقدمہ چلایا جائیگا۔ آخری فیصلے تک وہ حراست میں رہیں گی اور ان سے وہی سلوک کیا جائیگا جو ایک ملزم سے کیا جاتا ہے۔

نقیب۔ جہاں پناہ .....

جہانگیر۔ خاموش۔ فوراً عمل کیا جائے۔ مظلومو تمھارے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جائیگا (غمگین ساز۔ پھر کچھ شور) — تمھارا بیان ہم سن چکے ہیں۔ اب صرف ملزمہ کا بیان سننا باقی ہے۔ ملزمہ کو حاضر کیا جائے۔

سہیلی۔ جہاں پناہ۔ ملکہ نورجہاں پردے کے پیچھے موجود ہیں۔

جہانگیر۔ وہ ملکہ نورجہاں ضرور ہیں۔ مگر اس وقت ایک ملزمہ کی حیثیت سے یہاں لائی گئی ہیں۔ قریب آکر بیان دو ملزمہ۔ اقبال یا انکار۔

نورجہاں۔ (دھیمی آواز میں) اقبال۔

جہانگیر۔ بلند آواز میں مکمل جواب دو۔ تاکہ قاضی صاحب اور دوسرے سب اہلِ
عدالت کا شک و شبہ مٹ جائے۔

نور جہاں۔ جی ہاں۔ میں نے ہی اسے قتل کیا ہے۔ یہ میری ہی بندوق کا نشانہ بنا ہے۔

جہانگیر۔ تو گویا تم قاتل ہو۔ تم نے نہ صرف ایک بوڑھے کو جوان اولاد کا داغ دیا بلکہ
ایک بھائی سے اس کا بھائی چھین لیا۔ تم نے ایک عورت کا سہاگ ہی
نہیں چھینا بلکہ ایک معصوم بچے کو یتیم بھی بنا دیا۔ جواب دو مجرمہ کیا
ایسا نہیں ہوا۔

نور جہاں۔ جی ایسا ہی ہوا۔ لیکن اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔

جہانگیر۔ تو اور کس کا قصور تھا۔

نور جہاں۔ مرنے والے نے میری طرف دیکھا تھا۔ حالانکہ اسے ایسا نہیں چاہیئے تھا۔
اس نے ہماری توہین کی جس کی سزا اسے ملنی ضرور تھی۔

جہانگیر۔ اس کا ثبوت کہ اس نے تمھیں ارادتاً دیکھا۔ ہو سکتا ہے کہ مقتول کی نظر
اتفاقیہ تم پر پڑ گئی ہو۔

نور جہاں میری کئی سہیلیاں اسوقت میرے ہمراہ تھیں۔

سہیلی۔ عالم پناہ اجازت ہو تو کنیز کچھ عرض کرے۔

جہانگیر۔ اجازت ہے۔

سہیلی۔ عالم پناہ اگر مقتول کی نظر اتفاقیہ طور پر ملکہ پر پڑی تھی تو ایک لمحہ کے بعد
وہ نظر نیچی ہو جانی چاہیئے تھی۔ مگر وہ برابر دیکھتا رہا۔

نور جہاں۔ اسی وجہ سے میری غیرت جوش میں آگئی اور میں نے اسکے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا

جہانگیر۔ کہ تم اسے اپنی گولی کا نشانہ بنا دو۔ بیشک وہ بھی مجرم تھا۔ اس نے بھی جرم کیا تھا مگر اتنا نہیں جتنی کہ اسے سزا دی گئی۔ اسکے علاوہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تم نے اسے ایسا موقعہ ہی کیوں دیا کہ وہ تمھاری طرف دیکھتا۔

نورجہاں۔ قصور ہوا شہنشاہ۔ معافی چاہتی ہوں۔

جہانگیر۔ مجرمہ۔ تم پر جرم ثابت ہے۔ تم نے ایک انسان کا خون کیا ہے۔ قاتل کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔ تمھارے لئے سزائے موت تجویز کیجاتی ہے۔

سہیلی ۱۔ حضور رحم۔

سہیلی ۲۔ عالم پناہ رحم۔

قاضی۔ شہنشاہا۔ رحم۔

جہانگیر۔ مجرمہ کو جلاد کے حوالے کر دیا جائے۔

قاضی۔ شہنشاہ معظم اس فیصلے پر ایک مرتبہ پھر غور کر لیا جائے۔۔۔۔

جہانگیر۔ فیصلہ اٹل ہے۔ قانون قاتل پر رحم کرنیکی اجازت نہیں دیتا اس لئے ہم مجبور ہیں۔

قاضی۔ لیکن قانون خون بہا لینے کی تو اجازت دیتا ہے مقتول کے وارث اگر چاہیں تو وہ خون کی قیمت قاتل سے لیکر اسے معاف کر سکتے ہیں۔

جہانگیر۔ تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جہانگیر مجرمہ کی طرفداری میں مقتول کے وارثوں کو دولت کا لالچ دیکر انھیں اپنے دعوے سے دست بردار کرا دے ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اجلاس برخاست کیا جاتا ہے مظلومو یہیں موجود رہو۔ ابھی تھوڑی دیر بعد تمھارے سامنے مجرم کو اسی طرح موت کے گھاٹ

اُتارا جائیگا جس طرح اس نے ایک بے گناہ کو قتل کیا۔ (غمگین ساز)

قاضی۔ شہنشاہ سے کچھ کہنا سننا بیکار ہے۔ آج وہ کسی کی بات نہیں مانیں گے۔

امیر۔ اگر آج ملکہ قتل کر دی گئیں تو ان کے بعد شہنشاہ بھی اس دُنیا میں نہ رہیں گے۔

قاضی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان ایک مرتبہ پھر تباہی اور بربادی کے طوفان میں پھنسنے والا ہے۔ کیونکہ ملکہ کے بعد حضور سلطنت کے کاموں سے دلچسپی لینا چھوڑ دیں گے جس کا نتیجہ نہایت ہی خوفناک ہوگا۔

امیر۔ قاضی صاحب آئیے۔ ایک آخری کوشش اور کریں۔

قاضی۔ وہ کونسی کوشش ہے۔ کیا تمھارا یہ خیال ہے کہ تم شہنشاہ کو ایسا کرنے سے روک دوگے۔

امیر۔ بادشاہ سلامت سے کچھ کہنا سننا بیکار ہے۔ میرا اشارہ مقتول کے وارثوں کی طرف ہے۔ آؤ ہم سب ملکر ان کی خوشامد کریں۔ شاید انھیں رحم آجائے۔

قاضی۔ چلو۔

بوڑھا۔ کیسے آئے قاضی صاحب۔

قاضی۔ میرے بزرگ تمھاری آنکھوں کا امتحان لینے کے لئے آیا ہوں جو ابھی ملکہ کو قتل ہوتے ہوئے دیکھیں گی۔

بوڑھا۔ جو آنکھیں اپنے بیٹے کو تڑپتے ہوئے اور مرتے ہوئے دیکھ سکتی ہیں۔ وہ ملکہ کو قتل ہوتے ہوئے کیسے نہ دیکھ سکیں گی۔

امیر۔ لیکن ان آنکھوں کو کچھ ہی دیر بعد شاید اپنے بادشاہ کا لاشہ بھی نظر آئے۔

عورت۔ ملکہ نے میرا سہاگ اُجاڑ دیا۔ اس چھوٹے بچے کو یتیم کر دیا۔

قاضی۔ بیشک تم پر بڑا ظلم کیا گیا۔ لیکن کیا تم اپنا بدلہ اس طرح لینا چاہتی ہو کہ ہندوستان کی ہزاروں عورتیں بیوہ اور لاکھوں بچّے یتیم ہو جائیں۔ بادشاہ کو ملکہ سے عشق ہے۔ ملکہ کے بعد وہ سلطنت کے کاموں سے دلچسپی نہیں لیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک کا امن وامان تباہ ہو جائے گا۔ اور قتل وغارت کا وہ طوفان برپا ہوگا جس کا اندازہ لگانا مشکل ہو۔

عورت۔ جس عورت کا خاوند مرجائے جس بچّے کا باپ دنیا سے گذر جائے اسکے لئے دُنیا اندھیری ہو۔

قاضی۔ بیشک۔ مگر دوسروں کی دُنیا بگاڑ کر اب تمھارے ہاتھ میں کیا آجائیگا۔

امیر۔ ایک مرتبہ پھر غور کرلو نیک عورت۔ تم ہندوستان کی لاج ہو۔ ہندوستان اپنی عورتوں پر ہمیشہ فخر کرتا چلا آتا ہو۔ اب دنیا کو یہ کہکر ہنسنے کا موقع نہ دو کہ تم نے اپنے خاوند کیلئے نہ صرف اپنی ملکہ اور اپنے بادشاہ کی جان لی۔ بلکہ اپنے ملک کو بھی تباہ وبرباد کرادیا۔

عورت (جوش سے) بس۔ بس یہ نہیں سننا چاہتی۔ میں اپنے متعلق ایسے الفاظ کبھی نہیں کہلواؤں گی۔ بولو۔ تم مجھ سے کیا کہلوانا چاہتے ہو۔

قاضی۔ خون کی قیمت لیکر ملکہ کو معاف کر دو۔ گو اس بچّے کا باپ اب اس دُنیا میں موجود نہیں لیکن ملکہ اسے اپنا بچّہ سمجھکر اس کی خبر گیری کریگی۔ تمھارے گذارے کے لیئے دو لاکھ روپے خون بہا کے طور پر تمھیں دیدیئے جائیں گے اور وہ دیکھو شہنشاہ پھر دربار میں تشریف لارہے ہیں۔ ہاں کہو نیک عورت۔ جلدی بولو۔

جہانگیر۔ کیا ہمارے فیصلہ کی تعمیل ہو چکی۔

عورت۔ حضور۔ ہم نے اپنے مقدمے سے دست برداری کی ۔۔۔۔

بوڑھا ۔ ہم نے مقتول کے خون کی قیمت لے لی اور ملکہ کو معاف کر دیا۔

قاضی ۔ اور یہ بوڑھا قاضی آج شہنشاہ کے حضور میں یہ کہتے ہوئے نہیں ہچکچائیگا کہ شہنشاہ کو قانون اور شریعت کے مُطابق ملکہ کو معاف کرنا پڑے گا۔ کیوں کہ مقتول کے وارث خون کی قیمت لیکر ملکہ کو معاف کر چکے ہیں۔

بوڑھا۔

عورت۔

جوان۔ ہم نے ملکہ کو معاف کر دیا۔

جہانگیر۔ تو ہم مجبور ہیں۔ ملکہ کو رہا کر دیا جائے۔ (خوشی کا ساز)

پیاری نورجہاں آج ہم دونوں کو خدا کی طرف سے نئی زندگی عطا کی گئی ہے۔

ہائے بیگم، اگر تم مرجاتیں تو میں کیا کرتا۔

نورجہاں۔ مگر قدرت کو ایسا منظور نہ تھا۔ (دونوں کا مُسکرانا)

(کچھ دیر ساز اور ختم)

"شاہجہاں"

اس سے پہلے آپ مغلیہ سلسلے کے پانچ ڈراموں میں بابر۔ ہمایوں۔ اکبر نورجہاں اور جہانگیر کی زندگی کے حالات سُن چکے ہیں۔ اب آپ شاہ جہاں کی زندگی کے حالات سُنئے۔

راوی۔ شاہجہاں جہانگیر کے بیٹے تھے۔ کشمیر سے لاہور واپس ہوتے ہوئے ۵۹ سال کی عمر میں جہانگیر کا انتقال ہوا۔ اور لاہور کے قریب شاہدرے میں ایک عالیشان مقبرے میں دفن کیے گئے۔ جہانگیر کی چہیتی ملکہ نورجہاں پہلے شاہ جہاں کی طرف دار تھی۔ لیکن جب شہریار کی شادی نورجہاں کی اپنی لڑکی سے ہوگئی جو اسکے پہلے خاوند شیرافگن کی یادگار تھی تو اس کا رویہ بدل گیا اور اس نے شہریار کو بادشاہ بنانے کی پوری پوری کوشش کی۔ چونکہ شاہجہاں جہانگیر کی موت کیوقت دکن میں تھا۔ اس لئے شہریار نے لاہور پر قبضہ کرلیا۔ اور کچھ فوج اکٹھی کرکے آگرے

کا رُخ گیا۔ ادھر آصف خاں نور جہاں کا بھائی شاہجہاں کے طرفداروں میں تھا

اُس نے فوراً ہی اپنے ایک آدمی کو پیغام دیکر شاہجہاں کے پاس بھیجنا چاہا۔

آصف۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمام عمر آرام سے گذار دو اور اتنا انعام حاصل کرو کہ

گنگا کی کبھی تمہارے قریب بھی آکر نہ پھٹکے تو اسی وقت روانہ ہو جاؤ

مہینوں کا سفر دنوں میں طے کرو اور شاہجہاں کے پاس پہنچ جاؤ۔ انھیں

میری یہ انگوٹھی دے کر کہنا کہ وہ جتنی جلد بھی آگرے پہنچ سکیں پہنچ جائیں۔

تخت ان کا انتظار کر رہا ہے۔

قاصد۔ میں حضور کا مطلب سمجھ گیا ہوں۔ یہ غلام ہوا کی سی تیزی سے شاہجہاں

کے پاس پہنچنے کی کوشش کرے گا

آصف۔ تو آصف خاں کی خوشنودی حاصل کر لو گے اور مُنہ مانگا انعام پاؤ گے۔ جاؤ

فوراً روانہ ہو جاؤ۔

قاصد۔ بہتر۔

آصف۔ اور ہاں۔ اُن سے کہنا تخت کا خالی رہنا ٹھیک نہیں تھا۔ اسلئے میں نے

خسرو کے بیٹے داور بخش کو بادشاہ بنا دیا ہے۔ لیکن ان کے یہاں آتے ہی

میدان صاف ہو جائے گا۔

قاصد۔ بہت اچھا۔ (گھوڑے پر روانہ ہونا) (وقفے کا ساز)

شاہ۔ تم نے بہت ہی افسوسناک خبر سُنائی قاصد۔ ابا حضور کے انتقال سے ہمیں

بہت رنج ہوا ہے۔

قاصد۔ خدا کی یہی مرضی تھی میرے جناب ..... اب وقت بہت قیمتی ہے۔ آپ

یہ انگوٹھی اور خط ملاحظہ فرمائیے جو آصف خاں نے حضور کی خدمت میں بھیجا ہے۔ اور جلد سے جلد آپ کو بلایا ہے۔

شاہ۔ کہاں ہے وہ خط ہمیں دو۔ (پڑھنا) ہُوں ..... تم اسی وقت واپس روانہ ہو جاؤ۔ اور آصف خاں سے کہو کہ ہم آتے ہیں۔ لیکن ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی تمام رُکاوٹوں کا دور ہو جانا نہایت ضروری ہے۔

قاصد۔ بندہ یہ تمام باتیں آصف خاں سے عرض کردے گا۔

شاہ۔ شاباش۔ تم شاہجہاں کے راز دار ہو۔ اگر وہ بادشاہ بنا تو تمھیں اتنا مالا مال کردے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ اچھا جاؤ۔ (روانہ ہونا)

راوی۔ شاہ جہاں کے پہنچنے سے پہلے ہی شہریار ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اب نور جہاں کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ اس واقعے کے بعد اس نے تمام ملکی معاملات سے علیحدگی اختیار کرلی (شاہجہاں نے تاج شاہی سر پر رکھا اور بڑی دھوم دھام سے تاجپوشی کی رسم منائی) حالانکہ نورجہاں نے اس کی بڑی مخالفت کی تھی۔ لیکن اس نے تخت پر قبضہ کرتے ہی نورجہاں سے ملکر اس کی خوشنودی حاصل کرلی۔ اور اس کا بہت معقول وظیفہ مقرر کردیا۔ جہانگیر کی وفات کے بعد وہ تیس سال زندہ رہی اور اپنی زندگی کا یہ حصہ سلطنت کے کاموں سے الگ نیک کاموں میں گذارا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ اس نے پانچسو غریب لڑکیوں کی شادی اپنے خرچ سے کی۔ جب نورجہاں نے وفات پائی تو شاہدرے میں جہانگیر کے مقبرے کے قریب ہی دفن کی گئی .... خیر اُدھر شاہجہاں نے تخت حاصل کرتے ہی بڑی دھوم دھام سے تاجپوشی کی خوشی منائی (کچھ دیر ساز)

نقیب۔ اہلِ دربار۔ خاموش ہو جاؤ۔ اور ادب سے اپنی گردنیں جھکا دو کہ حضور ظل الٰہی شہنشاہ ہند اعلیٰ حضرت شاہجہاں دربار عام میں تشریف لا رہے ہیں۔

آصف۔ شہنشاہ معظم...... زندہ باد۔ اعلیٰ حضرت شاہ جہاں۔

سب۔ زندہ باد۔

شاہ۔ ابا حضور کے انتقال کے بعد ملک پر جو کالے بادل چھا گئے تھے۔ خدا کا شکر ہے وہ دُور ہو گئے۔ اور آج ہندوستان میں چاروں طرف امن و امان کا دور دورہ ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے دربار میں اس وقت ہندوستان کی ہر قوم کے نمائندے شامل ہیں۔ اس لئے ہم یہ کہدینا مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم بھی اسی راستے پر چلیں گے جس پر ہمارے بزرگ چلتے رہے ہیں۔ یعنی رعایا کی بھلائی چاہنا، اس کی حفاظت کرنا اور اس کے دکھوں کو اپنا دکھ سمجھکر انھیں دُور کرنا۔ ہم نہ خود کسی پر زیادتی کریں گے۔ اور نہ اسے پسند کریں گے۔

آصف۔ خدا شہنشاہ کی عمر و اقبال میں ترقی دے۔

سب۔ آمین۔

شاہجہاں۔ اس لئے کوئی شخص کسی پر زیادتی نہ کرے۔ ہر شکایت کی چھان بین کیجائے گی اور جرم ثابت ہونے پر ملزم کو پوری پوری سزا دیجائے گی۔

آصف رعایا کا ہر شخص حضور کے حکموں پر پورا پورا عمل کرے گا۔

شاہ۔ ہم نے سنا ہے ہندوستان کے کچھ غیر آباد علاقوں میں مسافروں کو لوٹ لیتے ہیں۔ ان کا فوراً انتظام کیا جائے۔ آج سے ہم یہ نہ سُنیں کہ فلاں

علاقے میں مسافروں کو لوٹا گیا۔ ہر حاکم اپنے علاقے کی واردات کا ذمہ دار ہوگا جس جگہ وہ قافلہ لوٹا جائیگا۔ اردگرد کی بستیوں کا فرض ہوگا کہ وہ لٹیروں کا پتہ لگائیں اور انھیں سزا دلوائیں۔

آصف۔ ایسا ہی کیا جائیگا۔

شاہ۔ کسانوں کی بھلائی کے لئے نہروں وغیرہ کا انتظام کیا جائے تاکہ وہ قحط کی مصیبت سے چھٹکارا پا جائیں۔ شہروں کو بھی خوبصورت طریقوں پر آباد کیا جائے۔

آصف۔ ایسا ہی کیا جائے گا سلطان عالم۔

شاہ۔ ہمارا ارادہ ہے کہ موجودہ دہلی کو بھی نئے طریقے سے آباد کرکے اس کا نام شاہجہاں آباد رکھیں۔ گو دادا جان مرحوم کو آگرہ پسند تھا۔ ابا حضور لاہور کو بہتر سمجھتے تھے۔ مگر ہمیں دہلی سے انسیت ہے۔ اور ہم اپنا چاہا پورا کرینگے۔

آصف۔ خدا شہنشاہ کے اس نیک ارادے کو پورا کرے۔ (کچھ دیر ساز)

راوی۔ چنانچہ شاہجہاں نے کچھ ہی عرصے بعد دہلی کو نئے سرے سے بسایا اور موجودہ دہلی شاہجہاں ہی کی یادگار ہے۔ یہ دس سال میں تیار ہوئی اور اس کا نام شاہجہاں آباد رکھا گیا تھا۔ صرف یہی نہیں اس کے علاوہ اور بھی بہت سی عمارتیں شاہجہاں نے تعمیر کرائیں۔ آگرے کے قلعے کے اندر ایک مسجد بنوائی جس کا نام موتی مسجد رکھا گیا۔ دہلی کی جامع مسجد اور لال قلعہ اسی بادشاہ کی یادگاریں ہیں۔ مشہور و معروف تخت طاؤس یعنی مور کی شکل کا تخت جو دہلی کے لال قلعہ کی زینت تھا اور جسے نادر شاہ دہلی کی لوٹ میں ایران لے گیا تھا۔ اسی بادشاہ

نے دس کروڑ روپیہ خرچ کر کے بنوایا تھا۔ ان سب عمارتوں کے علاوہ دنیا کے چند مشہور عجائبات میں ایک عمارت آگرے کا روضہ تاج محل بھی اسی بادشاہ کا نام زندہ کر رہی ہے۔ لاہور کا شالامار باغ بھی اسی کی یادگار ہے۔ بادشاہ کا اثر رعایا پر بھی پڑا۔ کئی امیروں نے بادشاہ کی نقل کی۔ علی مردان خاں نے کئی نہریں کھدوائیں نہر جمن غربی اسی کی تیار کروائی ہوئی ہے۔۔۔۔۔۔

شاہ جہاں کی شادی نور جہاں کے بھائی آصف خاں کی لڑکی ارجمند بانو عرف ممتاز محل سے ہوئی تھی۔ جس سے چار لڑکے۔ دارا۔ شجاع۔ مراد اور اورنگ زیب تھے۔ اور چار لڑکیاں تھیں۔ ممتاز محل سے شاہ جہاں کو بہت محبت تھی۔ آخری بچے کی پیدائش کے وقت ممتاز محل کی حالت یکا یک خراب ہو گئی اور۔۔۔۔۔

ممتاز۔ آہ۔ آہ۔۔۔۔۔

سہیلی۔ ملکہ صاحبہ۔ یہ آپ کو کیا ہو گیا۔

ممتاز۔ میرا خیال ہے کہ میرا آخری وقت آپہنچا۔ میں اب زندہ نہ ہوں گی۔

سہیلی۔ خدا نہ کرے کہ آپ کے دشمنوں پر کوئی آنچ آئے۔ ایسے لفظ تو زبان پر بھی نہ لائیے۔

ممتاز۔ تمھارا کام تسلیاں دینا اور ڈھارس بندھانا ہے۔ لیکن میں خوب سمجھتی ہوں کہ اب میں اس دُنیا میں کچھ عرصے کی اور مہمان ہوں۔ حضور کو خبر کر دو۔ آہ۔ آہ میرے بچوں کو بُلاؤ۔

اورنگ زیب۔ میں حاضر ہو گیا ہوں امی حضور۔

ممتاز۔ اوہ۔ اورنگ زیب میرے پیارے بچے۔ تم آگئے۔ دارا، شجاع اور مراد

کہاں ہیں۔
اورنگ۔ مجھے نہیں معلوم امّی وہ اس وقت کہاں ہیں۔ بھائی دارا کے پاس تو کئی خادم بھی دوڑا چکا ہوں مگر ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا۔
ممتاز۔ اسے اس وقت کیوں آنا تھا۔ اسے کیا معلوم کہ اس وقت اس کی ماں کی حالت کیسی ہے۔
اورنگ۔ آپ گھبرائیں نہیں امّی۔ بھائی صاحب آنے ہی والے ہیں۔ میں انکے پاس یہ خبر بھجوا چکا ہوں۔
ممتاز۔ وہ آجاتا۔ مراد اور شجاع آجاتے تو اچھا تھا۔ ان کی ماں کو مرتے ہوئے تسکین تو ہو جاتی۔ آہ۔
اورنگ۔ ایسے لفظ منھ سے نہ نکالئے امّی حضور۔ خدا آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آپ اچھی ہو جائیں گی۔
ممتاز۔ کوئی عورت جسے ہر طرح کا آرام نصیب ہو اپنے بچّوں کو چھوڑ کر مرنا پسند نہیں کر سکتی اورنگ زیب، مگر موت کا جو وقت مقرر ہے وہ ٹل نہیں سکتا۔
اورنگ۔ (روتے ہوئے) امّی......
ممتاز (پیار کرتے ہوئے) چُپ رہو میرے بچّے۔ تو نے میری بڑی خدمت کی ہے۔ میں مرتے ہوئے دُعا کرتی ہوں کہ خدا تجھے اس کا اجر دے۔ اور دُنیا میں دُور دُور تیرا نام روشن ہو۔
سہیلی۔ ملکہ عالم۔ حضور بادشاہ سلامت تشریف لا رہے ہیں۔
ممتاز۔ اوہ۔ حضور تشریف لے آئے۔

شاہ۔ (دُور سے) ملکہ۔ یہ تمھیں کیا ہو گیا۔

ملکہ۔ آہ۔ آپ آگئے میرے سرتاج۔ اچھا ہوا کہ کنیز نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر آخرت کا سفر اختیار نہ کیا۔

شاہ۔ خدا نہ کرے ملکہ کہ ایسا وقت آئے۔

ملکہ۔ اب کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہی حضور۔ موت سامنے کھڑی دکھائی دے رہی ہے اور موت اور انتظار میں کش مکش ہو رہی تھی۔ انتظار کی فتح ہوئی۔ آپ آگئے۔ اب موت کو اپنا کام کرنا باقی ہے۔

شاہ۔ (روتے ہوئے) ایسا نہ کہو ممتاز محل۔ اپنے لئے نہیں تو اپنے شاہ جہاں کے لئے۔ اس کی محبت کے لئے۔

ملکہ۔ موت کو اس بات کی پروا نہیں سرتاج۔ وہ مقررہ وقت پر آتی ہے اور یہ نہیں دیکھتی کہ ایک کو دوسرے سے کتنی محبت ہے۔

شاہ۔ کاش کہ میری زندگی میری ممتاز کو مل جاتی۔ کوئی ممتاز کو بچا سکتا

ملکہ۔ خدا کے حکموں کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ میرے بعد مجھے دعائے خیر سے یاد کرتے رہنا میرے مالک۔ تاکہ میری رُوح کو تسکین رہے۔

شاہ۔ ممتاز تم جس طرح اب میرے دل میں بسی ہوئی ہو ہمیشہ یونہی رہو گی۔ جس طرح تم نے اب تک شاہجہاں پر حکومت کی ہے۔ تمھارے بعد تمھارا خیال اس کے دل پر حکومت کریگا۔ وہ جب تک زندہ رہے گا یہی سمجھتا رہے گا کہ اس کی ممتاز محل زندہ ہے۔ ممتاز کے بعد شاہ جہاں کا ہر کام ممتاز کی روح کو خوش کرنے کے لئے ہوگا۔

ملکہ - تو کیا میرے مرنے کے بعد بھی آپ مجھے یاد رکھیں گے۔

شاہ - جب تک زندہ رہوں گا۔ تمھاری محبت بڑھتی ہی رہے گی۔ یہ وہ داغ ہوگا جو میرے دل پر سے کبھی نہ مٹے گا۔

ملکہ - لیکن کوئی ایسی چیز ہونی چاہیئے جو میری محبت آپ کو یاد دلاتی رہے۔

شاہ - وہ تمھارا روضہ ہوگا۔ اور تمھارے بعد زندہ رہا تو شاید اسی وجہ سے زندہ رہونگا کہ مجھے محبت کی ایک یادگار بنانی ہے۔

ملکہ - آہ - اب نہیں بولا جاتا۔ میرے قریب آجایئے سرتاج۔ اورنگ زیب۔

اورنگ (روکر) امّی حضور۔

ملکہ - میری چھاتی پر اپنا سر رکھدے میرے بچے۔ جہاں آرا۔ روشن آرا۔ میری بچیو میرے پاس آجاؤ۔ کہ تمھاری ماں اب تمھیں چھوڑ کر بہت دُور جانیوالی ہے

(اورنگ زیب اور بچوں کا رونا)

ملکہ - کاش کہ دارا شجاع اور مراد بھی اس وقت میرے پاس ہوتے۔ اچھا۔ اجازت دیجئے سرتاج جانے کی، اجازت دیجئے ۔۔۔۔

شاہ - ملکہ ممتاز ..... بانو ٹھیرو۔ کچھ دیر کے لئے اور ٹھیرو .....

ملکہ - (کم زور آواز) بچو۔ تمھیں خدا کو سونپا ..... آہ ..... آہ ..... (ہچکی لینا)

اورنگ (روتے ہوئے) امّی ..... (غمگین ساز)

مہابت خاں - صبر کیجیئے شہنشاہ - خدا کی مرضی میں کسی کا چارہ نہیں۔

شاہ - بیشک صبر کرنے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن مہابت خاں یہ غم ایسا ہی جو ہمارے دل پر سے کبھی کم نہ ہوگا۔

مہابت۔ درست فرمایا حضور والا نے۔ مگر دنیا فانی ہے۔ جو زندہ ہو مرنے کے لئے ہے۔

شاہ۔ مرنا شاہجہاں کو بھی ہے۔ مگر وہ موت کے لئے زندہ نہیں ہے۔ وہ زندہ ایک ارمان۔ جو شاید اس کا آخری ارمان ہو گا اسے پُورا کرنے کے لئے زندہ ہے۔

مہابت۔ اگر کوئی راز نہ ہو تو کیا غلام اپنے آقا کا وہ ارمان معلوم کر سکتا ہے۔

شاہ۔ شاہجہاں ایک یادگار قائم کرنا چاہتا ہے۔ ایسی یادگار جو اسے عُمر بھر ممتاز محل کی یاد دلاتی رہے۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیئے مہابت آخری وقت ممتاز محل سے ہم نے وعدہ کیا تھا کہ اس کی محبّت کی ایک یادگار قائم کریں گے۔ ایسی یادگار جسے نہ صرف شاہجہاں بلکہ سارا زمانہ اسے دیکھکر ہماری محبت کو یاد کرے۔

مہابت۔ خادم کے لئے کیا حکم ہے۔

شاہ۔ مرحوم ملکہ کی قبر پر سفید سنگِ مرمر کا ایک عالی شان مقبرہ تعمیر کرایا جائے اتنا عالیشان کہ انسان کی عقل اسکو دیکھکر دنگ رہ جائے۔ وہ اتنا خوبصُورت ہو کہ دنیا کی کوئی عمارت خوبصُورتی میں اُس کی برابری نہ کر سکے۔ وہ اتنی مضبُوط ہو جتنی کہ شاہ جہاں کی محبت۔

مہابت۔ خادم حضور کا مطلب سمجھ گیا ہے۔ ایسا ہی ہو گا۔ (غمگین ساز)

راوی۔ مقبرے کی تعمیر شروع کر دی گئی۔ بیس ہزار آدمی روزانہ اس پر کام کرتے رہے۔ تب کہیں سترہ برس میں جا کر یہ عمارت مکمّل ہوئی اور روضہ تاج محل اس کا نام رکھا گیا۔ یہ روزہ سفید سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے اور اتنا خوبصورت ہے کہ انسان کی عقل اسکو دیکھکر دنگ رہ جاتی ہے۔ یہ آپ پہلے ہی سن چکے ہیں کہ

شاہ جہاں کے عہد میں امن وامان کا دور دورہ تھا۔ کبھی کسی علاقے میں بغاوت ہوئی بھی تو فوراً اس کا سر کچل دیا گیا۔ ڈاکے وغیرہ کی واردات تو سننے ہی میں نہیں آئی۔ اُس زمانے کے کئی یورپین مورخوں نے اسکے انتظام سلطنت کی بہت تعریف کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ شاہ جہاں کی حکومت رعایا پر حاکمانہ نہ تھی بلکہ وہ رعایا کے ہر چھوٹے بڑے سے اسی طرح پیش آتا تھا جیسے ایک باپ بیٹے سے شاہ جہاں نے اپنے بعد بھی اسی امن اور سب کی بہتری کے لیئے آخری عمر میں ایک تجویز سوچی۔

سعد اللہ۔ خادم آداب بجالاتا ہے۔ شہنشاہ عالم۔ کس لیئے یاد فرمایا۔

شاہ۔ ہمارے قریب آجاؤ سعد اللہ۔ آج ہم تم سے چند اہم معاملات پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

سعد اللہ۔ ارشاد فرمائیں حضور والا۔

شاہ۔ ہم اب بوڑھے ہو چکے ہیں سعد اللہ ادھر ہیں جو فکر ہے وہ ہمیں اور بھی بوڑھا بناتا چلا جا رہا ہے۔

سعد۔ میں حضور کا مطلب نہیں سمجھا۔ یہ کس کی طرف اشارہ ہے۔

شاہ۔ دارا۔ شجاع۔ مراد اور اورنگ زیب کی طرف۔ چاروں بھائی ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔ جب میری زندگی میں یہ حال ہے تو مرنے کے بعد یہ کیا کچھ نہ کریں گے۔ جب یہ خیال آتا ہے تو میں دیوانہ سا ہو جاتا ہوں۔ سعد اللہ تمھارے جیسا نیک اور دُور اندیش وزیر آج تک کسی کو نہ ملا ہو گا۔ مجھے تم پر ناز ہے۔ کوئی ایسی ترکیب بتاؤ کہ میرے بعد

یہ سب بھائی امن و امان سے رہیں۔

سعد۔ دارا بڑے شہزادے ہیں اور ولی عہد ہیں۔ اگر باقی تینوں شہزادے بھی ان کے حکموں پر چلیں، ان کی عزت کریں تو کسی فساد کا خطرہ نہیں ہے۔

شاہ۔ مگر ایسا کیوں ہونے لگا۔ سب ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ بیشک ہمیں دارا سب۔ سے زیادہ عزیز ہے۔ مگر ہم یہ نہیں چاہتے کہ دوسرے بھائیوں کا حق مارا جائے۔ سعد اللہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنی زندگی میں سلطنت چاروں بیٹوں پر تقسیم کر دیں۔ اس طرح ہمارا کام بھی ہلکا ہو جائیگا اور یہ چاروں بھی اپنے اپنے علاقوں پر مطمئن ہو جائیں گے۔

سعد۔ اگر حضور کی یہی مرضی ہے تو بسم اللہ۔ (کچھ دیر ساز)

راوی۔ مگر اس تقسیم سے کام اور زیادہ بگڑ گیا۔ چاروں بھائیوں کی عادتیں ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ دارا صاف دل اور بہادر ہونے کے ساتھ ہی مغرور ضدی اور مزاج کا تیز تھا۔ شجاع اگرچہ بہادر اور ہوشیار تھا مگر ہر وقت نشے میں چور رہتا تھا۔ مراد میں بہادری اور صاف دلی دونوں باتیں موجود تھیں مگر سلطنت کے معاملات سمجھنے میں بالکل کورا تھا۔ اور شراب نے اسے بھی ناقابل بنا دیا تھا۔ اورنگ زیب ہوشیاری، تدبر اور بہادری میں بھائیوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا۔ میدانِ جنگ میں اتنا دلیر کہ اسے دیکھکر ہر سپاہی کے دل میں جوش پیدا ہو جاتا تھا مذہب کا سختی سے پابند تھا۔ سب بھائیوں میں یہی اس قابل دکھائی دیتا تھا کہ شاہ جہاں کے بعد تخت پر بیٹھے۔ مگر دارا کے جیتے جی ایسا ہونا مشکل تھا۔ وہ ہر وقت دارالخلافے میں موجود رہتا تھا اور دوسرے سب بھائی وہاں سے دور۔ جہان آرا بیگم

بڑی شہزادی دارا کی طرف دار تھیں۔ مگر دوسری شہزادی روشن آرا بیگم اورنگ زیب کی حامی۔ ایک دن جب کہ اورنگ زیب دارالخلافے سے رخصت ہونے لگا اس وقت ......

اورنگ۔ بہن روشن آرا....

روشن۔ آؤ بھائی اورنگ زیب۔ کیسے آنا ہوا۔

اورنگ۔ ابا حضور کے حکم کے مطابق مالوے کی طرف جا رہا ہوں۔ سوچا بہن سے ملتا چلوں۔ روشن آرا تمھیں سب باتوں کا علم ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا ہونے والا ہے۔ بھائی دارا کی نفرت روز بروز بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ ہم میں سے کوئی بھی ابا حضور کے پاس رہے۔

روشن۔ تب ہی تو اتنی دُور بھیجا جا رہا ہے۔ آپا جہاں آرا بھی یہی چاہتی ہیں کہ دارا کے علاوہ اور کوئی یہاں نہ رہے۔ اس دن جو ہم تم باتیں کر رہے تھے۔ ان سب کی اِطّلاع بھی بھائی دارا کو پہنچ گئی۔

اورنگ۔ اس وقت صرف بہن جہاں آرا موجود تھیں لیکن روشن آرا میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کہی تھی۔ میں بھائی دارا کے خلاف ہوں تو محض اس وجہ سے کہ وہ مذہب سے دُور اور لاپروا واقع ہوئے ہیں۔ اور اگر انھوں نے ان باتوں پر دھیان نہ دیا تو ان کی وجہ سے مغلیہ سلطنت کی کے برباد ہو جانے کا خطرہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مُراد میں بادشاہ بننے کی قابلیت موجود ہے بشرطیکہ وہ شراب پینے سے توبہ کریں۔ بھائی شجاع پر کسی اچھی بات کا اثر ہونا ناممکن سا دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ

شراب نے ان کی عقل پر بھی پردہ ڈال دیا ہے۔ خیر خدا جو کرے گا بہتر کرے گا۔ اور اب میں روانہ ہوتا ہوں۔

روشن۔ خدا حافظ۔

اورنگ۔ مگر بہن جاسوسوں کے ذریعے مجھے یہاں کے ہر معاملے کی خبر بھیجتی رہنا۔ تم جانتی ہو ابا حضور کی طبیعت خراب ہے اور بھائی دارا اس بات کو چھپانا چاہتے ہیں۔

روشن۔ اطمینان رکھو۔ تم جہاں ہو گے تمھارے پاس رتّی رتّی بات کی اطلاع بھیجتی رہوں گی (ساز)

دارا۔ کیا کہہ رہی ہو جہاں آرا بیگم ......

جہاں آرا۔ اوہ۔ تم آ گئے بھیا ......

دارا۔ خیر تو ہے۔

جہاں آرا۔ دارا بھیا ابا حضور کی طبیعت روز بروز زیادہ ہی خراب ہوتی جا رہی ہے۔ اب کیا ہو گا۔

دارا۔ جو خدا کو منظور ہے وہی ہو گا۔

جہاں۔ یعنی۔

دارا۔ تمھارا بھائی دارا ہندوستان کا شہنشاہ ہو گا۔

جہاں۔ بیشک۔ آپ ولی عہد ہیں اور آپ ہی بادشاہ بنیں گے۔ مگر ابا حضور کا فکر لگا ہوا ہے۔ خدانخواستہ انھیں کچھ ہو گیا تو ......

دارا۔ حکیم صاحب فرما رہے تھے کہ ابا حضور کی بیماری خطرناک نہیں ہے وہ اچھے

ہو جائیں گے۔ مگر جہاں آرا بہن میں چاہتا ہوں کہ ابا حضور کی بیماری کی خبر آگرے سے باہر نہ جانے پائے۔

جہاں۔ اورنگ زیب۔ مراد اور شجاع ان تینوں کے جاسوس آگرے میں موجود ہیں جو ایک ایک بات کی خبر انکے پاس بھیجتے رہتے ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ بات انھیں معلوم نہ ہو۔

دارا۔ بہت آسانی سے ہو سکتا ہے۔ تم چاہو تو آگرے والوں کو بھی اس بیماری کا حال معلوم نہ ہو سکے گا۔

جہاں۔ وہ کیسے۔

دارا۔ ابا حضور کی دیکھ بھال زیادہ تر تم کرتی ہو۔ قلعے سے باہر ان کا حال کسی کو معلوم نہ ہونے پائے۔

جہاں۔ میں ایسا ہی کروں گی ۔ (ساز)

راوی۔ دارا نے اس واقعہ کو جتنا چھپایا اتنا ہی بھائیوں کا شبہ بڑھتا چلا گیا۔ انھیں یہ یقین ہو گیا کہ شاہ جہاں کا انتقال ہو گیا ہے اور اُن سے چھپایا گیا۔ چنانچہ ایک طرف سے شجاع فوج لیکر آگرے کی طرف روانہ ہوا اور دوسری طرف سے مراد اورنگ زیب سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد فوج لیکر آگے بڑھا۔ شجاع کو تو دارا کے لڑکے نے بنارس کے قریب شکست دیکر بھگا دیا۔ مگر راجہ جسونت سنگھ دارا کا سپہ سالار مراد اور اورنگ زیب کے مقابلہ پر نہ ٹھیر سکا۔ اورنگ زیب اور مراد کی فوج آگے بڑھتی چلی آئی۔ اتنے عرصے میں شاہجہاں صحت پا چکے تھے۔ انھوں نے جب یہ سنا تو انھیں بہت رنج ہوا۔

شاہ۔ جس بات کا ڈر تھا وہی ہوئی۔ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے
یہ کیا ہو رہا ہے دارا۔
دارا۔ میری سمجھ میں خود کچھ نہیں آتا ابا حضور کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔
شاہ۔ تم سب سمجھتے ہو۔ تم بھائیوں سے نفرت کرتے ہو۔ انھیں آگرے کے
قریب نہیں آنے دیتے۔ تب ہی تو یہ فتنہ اور فساد برپا ہو رہا ہے۔
دارا۔ میرا اس میں کوئی قصور نہیں ابا۔
شاہ۔ قصور کیسے نہیں۔ میں کہتا ہوں قصوروار تم ہو۔ رعایا مجھے مردہ سمجھے
ہوئے تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ رعایا مجھے دیکھکر میرے زندہ ہونے پر
اعتبار کرے۔ مگر تم ایسا نہیں چاہتے۔ تم انھیں زبانی طور پر میرے زندہ
ہونے کا یقین دلاتے ہو اور وہ کبھی یقین نہ کریں گے۔
دارا۔ انھیں یقین کرنا پڑیگا۔
شاہ۔ تمھارا خیال غلط ہے دارا۔ جب تمھارے سگے بھائی یہ سمجھے ہوئے ہیں
کہ میں اس جہان میں موجود نہیں تو غیر پھر غیر ہیں۔ وہ جب تک میری
شکل نہ دیکھ لیں گے۔ کبھی میرے زندہ ہونے پر یقین نہ کریں گے۔ دارا
میں کہتا ہوں مجھے آگرے سے باہر جانے دے۔ فساد خود بخود مٹ جائیگا
اورنگ زیب اور مراد جب میری شکل دیکھیں گے تو میرے قدموں پر
آپڑیں گے۔
دارا۔ ابا حضور میں آپ کا ہر حکم ماننے کے لئے تیار ہوں مگر آپ کا آگرے سے باہر
جانا مصلحت کے خلاف سمجھتا ہوں۔ اس لئے آپ آگرے سے باہر جانیکے

خیال کو دل سے نکال دیجئے۔

شاہ۔ نہیں دارا مجھے میدان جنگ میں جانے دے۔ میرے وہاں جانے سے لاکھوں جانیں بچ جائیں گی۔

دارا۔ دارا یہ بات ماننے سے مجبور ہے۔

شاہ۔ شائستہ خاں تم ہی دارا کو سمجھاؤ۔

شائستہ۔ گستاخی معاف ہو حضور والا۔ میرے خیال میں دارا شکوہ کی بات ماننے کے قابل ہے۔

شاہ۔ یہ تم کہہ رہے ہو شائستہ خاں۔ جس سے مجھے بھلائی کی امید تھی جسے میں اپنا سمجھتا تھا۔ لیکن جب اولاد نے ہی منہ پھیر لیا تو تم کس گنتی میں ہو۔ اچھا دارا تمھاری مرضی۔ جو جی چاہے کرو۔

دارا۔ مجھے صرف آپ کی اس اجازت کی ضرورت تھی۔ اب میں اورنگ زیب اور مراد سے نبٹ لوں گا۔ جسونت سنگھ نے شکست کھائی تو کیا ہے۔ دارا انھیں نیچا دکھائے گا۔ فوجوں کو روانہ ہونے کا حکم دے دیا جائے۔

(جنگی میوزک۔ شور وشر)

شاباش بہادرو۔ یاد رکھو مراد اور اورنگ زیب سلطنت کے باغی ہیں بچکر نہ جانے پائیں۔ ان کے لشکر کو چاروں طرف سے گھیر لو۔ اور گولیوں کی بوچھاڑ میں ختم کر دو۔

مراد۔ توپ کا جواب توپ سے دو۔ جب ہار کی صورت میں ہم کسی طرح بھی زندہ نہ رہنے پائیں گے۔ پھر کیوں نہ بہادری کی موت مارے جائیں۔

اورنگ۔ بھیا مراد مجھے یقین ہے کہ ہم اس لڑائی میں بھی کامیاب ہونگے کیونکہ ہم سچائی پر ہیں
اور جیت ہمیشہ سچائی کی ہوتی ہے۔

مراد۔ خدا تمھاری زبان کو مبارک کرے۔ اورنگ زیب اسوقت دارا اپنے ہاتھی پر موجود ہیں اور
انکی فوج کا دل بڑھا ہوا ہے۔ اگر ہاتھی گولے کا نشانہ بنجائے تو میدان یقیناً ہمارے ہاتھ ہے۔

اورنگ۔ آپ کا ٹھیک خیال ہے۔ گولے تاک تاک کر ہاتھی پر برسائے جائیں (گولوں کا چلنا)

مراد۔ ہماری ترکیب کارگر ہوئی۔ دارا کی فوج بھاگ رہی ہے۔

اورنگ۔ بھاگتی ہوئی فوج کا پیچھا کیا جائے اور جلد سے جلد آگرے پہنچا جائے۔ (شور۔ ساز)
شکر ہے کہ آج آگرہ ہمارے قبضے میں ہے۔

مراد۔ اب کیا کیا جائے بھائی اورنگ زیب۔

اورنگ۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابا حضور زندہ ہیں اور قلعہ میں موجود ہیں۔ میں نے انکے پاس پیغام
بھجوایا ہے کہ میں تابعدار ہوں۔ دارا کی محبت کو دل سے نکال دیجیے۔ وہ دہلی کیطرف
بھاگ گئے ہیں۔ اب مجھے حکم کیجیے، جو حکم ہوگا بجالاؤں گا۔

مراد۔ کس کے ہاتھ پیغام بھیجا ہے۔

اورنگ۔ تمھارا بھتیجا گیا ہے اور آیا ہی چاہتا ہے۔ لے لو، وہ آگیا۔ کیا جواب لائے۔

بیٹا۔ داداجان اور پھوپی جان دونوں آپ سے خفا ہیں اور آپکی باتوں کو بناوٹ سمجھتے ہیں۔
نہ آپکو اپنے پاس آنیکی اجازت دیتے ہیں اور نہ ہی آپکے پاس آنا پسند کرتے ہیں۔

اورنگ۔ تو گویا ابا حضور کو قلعہ پسند ہے۔ اچھا واپس جاؤ اور غلام کا یہ پیغام پہنچاؤ کہ انھیں جو چیز
پسند آئی ہمیشہ کیلیے انکی کردی گئی۔ سلطنت کے کاموں سے وہ پہلے ہی ہاتھ اٹھا چکے ہیں۔
اس کا انتظام ہم خود کریں گے اب آپکے لئے جو کچھ ہے یہ قلعہ ہے۔ وہاں رہیں اور بقایا عمر خدا کی
عبادت میں گزار دیں۔ (ساز۔ ختم)

"میلے کی سیر"

(ایک گاؤں میں)

نندا۔ کون بلدیوا۔ آگیا بھائی تو تیار ہو کے۔

بلدیوا۔ تیاری کو کونسے سولہ سو سنگھار کرنے تھے۔ یہی دو لتّے پہنے۔ کھینڈ کا سر پے دھرا۔ اور آگیا۔

نندا۔ لے پھر بیٹھ۔ ابھی تو گھنی دیر ہے۔ ایک حُقّہ بھر کے پی لیں۔ پھر جائیں گے۔ گلو رے او گلو۔

گلو۔ ہاں باپو۔

نندا۔ جا اپنی ماں سے تھوڑی سی آگ بنوا لے۔

گلو۔ اچھی بات ہے۔

نندا۔ کیوں بھائی بلدیوا تو اس چھڑیوں کے میلے میں کبھی نہیں گیا۔

بلدیوا۔ نہیں بھئی کیا کام پڑے تھا۔ اور بات یہ ہے کہ میں ان میلوں ٹھیلوں سے

گھنا ہی گھبراؤں ہوں۔

ننّدا۔ گھبرانے کی کیا بات ہو۔ وہاں کو رسے۔ ننس ہی مانس ہوں ہیں۔ اور کیا ہو ہے۔

بلدیوا۔ مانس تو ہوں ہیں۔ یہ تو میں بھی جانوں ہوں۔

ننّدا۔ پھر مانسوں سے گھبرانے کی کیا بات۔

بلدیوا۔ نہ بات بوت تو کچھ نہیں ہو۔ بس یُوں ہی گھبراؤں ہوں۔

ننّدا۔ ہے۔ باولے۔ لے تو اب کے تینے ایسی ایسی چیجیں دکھاؤں۔ کے
ساری عُمر یاد ہی رکھّے۔

بلدیوا۔ تو یُونہی نا تیرے ساتھ چل رہا ہوں

ننّدا۔ دیکھا؟ کیسا نامراد چھورا ہو۔ اب تو ک نہیں لایا۔ لے میں ہی چلم بھر کے
لاؤں ہوں (اندر جا کر) گلّو کی ماں۔ اے گلّو کی ماں۔

بیوی۔ کیوں کے ہے۔

ننّدا۔ تیرے سے کہائے ہوئے کتنی دیر ہو چکی کہ باہر بلدیوا آیا ہوا بیٹھا ہو۔ ایک
چلم جو گی آگ بنا دیتی تو کیا ہو جاتا۔ کیا تیری جات گھٹ جاتی۔

بیوی۔ جات تو نہ گھٹتی۔ پر آگ بھی کہیں کی بناتی۔ اپنی کہ تیری۔

ننّدا۔ کیوں اُپلے گھر میں نہیں تھے۔

بیوی۔ ہوتے تو کہنے کی جرورت ہی کیا پڑتی۔ ابتک بن کے تیار ہو گئی ہوتی۔

ننّدا۔ کے بات ہوئی۔ اُپلے تو گھنے ہی تھے۔

بیوی۔ تو کیا انھیں میں کھا گئی۔ پانی میں بھیگے ہوئے پڑے ہیں۔

ننّدا۔ پرسوں پرلے دن کے اب تک نہیں سُوکھے۔

بیوی۔ سوکھتے کیسے۔ اوپر نے تو دیکھو۔ آسمان ڈھکا پڑا ہے۔

نندا۔ پھر تنے پرسوں سے اب تک روٹی کیونکر بنائی۔

بیوی۔ چھوٹو کی ماں سے دو بیسی اُپلے مانگے لئے تھے۔

نندا۔ وہ بھی سپڑ لئے۔

بیوی۔ آہو۔

نندا۔ ایک گر ہی بھی کو ناپچی۔

بیوی۔ گر ہی ہوتی تو یہ بات ہی کیوں ہوتی۔ آگ بنا دیتی۔

نندا۔ گھنا ہی جُلم ہوا ہمنے میلے میں جانا تھا۔ یہ سوچا تھا کہ چالتے چالتے ایک چلم پے ہی ہاتھ مارلیں۔ تو ان اُپلوں نے دگا کردی۔

بیوی۔ کیا اس کے بنا جی نکلا جاوے ہے۔ پھر پی لیجو۔

نندا۔ میں تو پھر بھی پی لُوں۔ پر اس نے کیا دوں جو باہر نے مبٹھا ہے اپنے من میں کیا کہتا ہوگا۔ اچھے کے گھر آئے کہ حُکا پانی کی بات بھی نہ پوچھی۔

بیوی۔ اب جو تو کہے وہ کروں۔

نندا۔ توں کیا کرے تھی، تیرا تو جی نکلا پڑا ہے۔

بیوی۔ نا۔ میں کیا تیرا کچھ کام کروں ہوں۔

نندا۔ کرے تو ہے یہ کون کہے ہے کہ نہیں کرتی۔ پر سو حُجّت لا کے کرے ہے۔

بیوی۔ میں نے تیرے سے کیا حجّت کردی۔ یُوں ہی تو میری تیری بات نہیں بنتی کہ تُو بات کا بتنگڑ بنالے ہے۔

نندا۔ میں بنالوں ہوں بتنگڑ کہ تُو۔ ایک چلم جوگی آگ بنانے کے بدل مُکدمہ منا دیا۔

بیوی۔ یکدم توتیری باتیں بناویں ہیں۔

نندا۔ وا کیوں کر۔

بیوی۔ تیرے اس کھبت میلے میں جانے کی کیا لگ رہی ہو۔ چار پیسے بچّے کی
خاطر رکھ رلکھے ہیں۔ وہ کھوکھنڈا کے چلا آوے گا۔

نندا۔ (ہنسکر) یو بات ہو ہمنے کے بیرا تھا۔ اک مھارا میلے میں جانا بھی تیرے کھٹک گیا۔

بیوی۔ کیوں نہ کھٹکے۔ سو دیکھے نہ دیکھ چکی۔ آگ جو دو چار کوڑی جمع جُڑے ہے
وہ کھوکھنڈا کے دھر دے ہے۔

نندا۔ لے جو ہوگئی سو ہوگئی۔ اب تو جانے دے۔ آگے نے دیکھی جاگی۔

بیوی۔ اب کے ہو گیا۔

نندا۔ اب تو میں بدھیا کو میلے میں جانے کا نوتا دے چکا۔ وا دروجے پہ آیا وا
بیٹھا ہو...... ہاں لے بول۔ تیرے خاطر میلے میں سے کے لاؤں۔

بیوی۔ نا مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔

نندا۔ بتا بھی۔ کے ہو گیا۔ یونہی ہوا کرے ہو۔ ہاں۔ کے لاؤں۔

بیوی۔ دیکھیو وہ لا دیجو...... امرود ایک دھڑی۔

نندا۔ امرود؟ باؤلی کے کرےگی دھڑی پکے مرودان کا لیکے۔ ہیجا ہو جاگا۔ ہیجا۔

بیوی۔ کیوں ہیجا گیا ان میں چھپا بیٹھا ہو ہے۔ یہ دُنیا جو روج کھاوے ہے۔

نندا۔ دنیا کون کھاوے تھی۔ سہری کھاویں ہیں۔ ہور کون کھاوے ہو۔

بیوی۔ پھر انھیں کیوں نہ ہیجا ہوتا۔

نندا۔ سہریاں کا کے ہو باؤلی۔ یہ گھنے اُستاج ہوں ہیں۔ مرودال میں سے کے بیرا

کے کے گیریں ہیں جب کھاویں ہیں۔ بول سیسہ لادوں۔

بیوی۔ نہ سیسہ نہ چاہیئے۔ بس یہی لیتا آئیے۔

نندا۔ اچھا تیری مرجی۔ تھارا کے ہے (باہر جاتا ہے)

بلدیوا۔ لے۔ چودھری نندا۔ کہاں مر گیا تھا۔ میں تو بیٹھا بیٹھا سوکھ لیا۔

نندا۔ (ہنسکر) بھائی تنے کے بیرا۔ پھوجداری ہو گئی تھی۔

بلدیوا۔ کیو نکر۔

نندا۔ میلے ہیں جانے کی سُنکر گلو کی ماں نے ڈھائی من کا منہ بنا لیا۔ یوں سمجھ لے کہ مُسکلاں سے منا کے آیا ہوں۔ لے اب اُڑ لے۔

بلدیوا۔ اور حُکا

نندا۔ تماکھو نے کھینڈ کے میں دھر لے۔ ٹیسن پے حال کے ہویں گے۔ نہیں تو پھر گاڑی نہیں تھیاوے گی۔

بلدیوا۔ اچھا۔

نندا۔ بھاج لے۔ یوں مُردوں کی سی ڈ ہال کام نہیں جالیگا۔ تین کوس ہو پکا تین کو ہیں۔
(راستے میں تانگوں کی ٹخ ٹخ۔ بیل گاڑیوں کی آمد و رفت۔ شور و غل)

تانگے والا۔ چلتے ہو چودھری سٹیشن کو۔ اگر چلنا ہو تو تانگے میں بیٹھ جاؤ۔

نندا۔ کے لے گا بھائی۔

تانگے والا۔ دونوں کے دو آنے۔

نندا۔ نا بھائی۔ ہم تو پیران ہیران جانگے۔

تانگے والا۔ چلو آؤ۔ ڈیڑھ آنہ دینا دونوں۔

بلدیوا۔ جا بھائی جا۔ کیوں راہ کھوٹی کرے ہے۔ آنے کا پائیا پکا آٹا آدے ہے جسے کھا کے ایک مانس کا پیٹ بھرے ہے۔ تو ہمنے بناوے ہے۔

تانگے والا۔ اچھا چودھری جی اس میں بنانے کی کیا بات ہے۔ تمھاری مرضی (تانگہ چلتا)

نندا۔ ٹیشن کِت کا سو کوس ہے۔ بو آگیا۔ وہ لکھبے دِکھن لاگے۔

بلدیوا۔ کیوں بھائی نندا چودھری۔ یہ ریل گاڑی والے کیا لیں گے میلے تک کا۔

نندا۔ دونوں کا ایک روپیہ۔

بلدیوا۔ دھیلی دھیلی (ہنس کر) مُپھتی نہ لے جاویں۔

نندا۔ ئیں تو بھائی مُپھتی ہی چلنے کی بدھ بٹھاؤں گا۔

بلدیوا۔ تو میں کیا تیرے سے گھاٹ ہوں۔ میں بھی مُپھت ہی جاؤں گا۔

نندا۔ نہ بھائی۔ توں منے بھی مروا دیگا۔ دیکھیئے وہ آجا ہے وا۔ ٹیکس دیکھن والا بابو دھیلی دھیلی کے بدلے روپیے کا کھون ہو جاگا۔

بلدیوا۔ یو کے بات ہوئی پھر۔ تُو تو اپنی دھیلی کھرچ نہیں کرتا اور ئیں ڈوب دُوں۔

نندا۔ اچھا تو یُوں کر دونوں پاؤلا پاؤلا ملاکے اس کا ایک ٹکیس کھریدلیں گے۔

بلدیوا۔ ٹھیک ہے۔ آدھا تُو لے لیجو۔ آدھا ئیں لے لُونگا۔

نندا۔ نہ بس ثابتہ تُو ہی اپنی گوجھ میں دھر لیو۔

بلدیوا۔ اور تُو کے کرے گا۔

نندا۔ تنے کے مطلب۔ میں آپ سُلٹ لُوں گا ..... ارے بھاج لے۔ دیکھ وہ دُھواں اُٹھ رہا ہے۔ گاڑی آنے لگ رہی ہے۔

بلدیوا۔ کہاں۔

نندا۔ وہ دیکھ۔ ان روکھاں میں۔ لے اُڈ لے۔ نہیں تو پھر نہیں تھیاوے گی۔

بلدیوا۔ چل بھائی (بھاگنا) اچھا میلہ دیکھنے چلے۔

(کچھ شور۔ اسکے بعد گاڑی کا آنا۔ پان بیڑی سگرٹ کی آوازیں)

نندا۔ لے بلدیوا ٹکٹ رکھ لے سنبھال کے۔ اور جس گاڈی میں میں بیٹھوں، تو بھی بیٹھ جا۔ آجا بس اس میں ہی بیٹھیں گے (گاڑی چل پڑنا)

بلدیوا چل تو پڑی ہی۔ اب پہنچنے میں کیا دیر رہ گئی۔

نندا۔ ساری تو یہ ہی۔ کوٹھے کا کوٹھا۔ ارے او بلدیوا۔ کھڑکی میں سے منھ باہر نہ نکال۔ صاپھا گر جاگا۔ آنکھ میں روڑی راڑی پڑ جاگی۔

بلدیوا۔ ارے رے گر گیا۔ سچوں ہی بھئی صاپھا گر گیا۔

نندا۔ ہور میں کے کہوں تھا۔

بلدیوا۔ پکڑ لیا۔ پکڑ لیا۔

نندا۔ کھینچ۔ کھینچ۔ کھینچ۔

بلدیوا۔ کِت کھینچوں۔ پہیے میں پھنس گیا۔ اسے اُڑ کو لے۔

نندا۔ (پکارنا) او گاڈی والے۔ ڈاٹیے بھائی ڈاٹیے۔ دُو روپیے کا صاپھا پھٹ گیا۔

مسافر۔ (ہنسکر) چودھری یہ بھی کوئی بیل گاڑی یا تانگہ ہے جو رُک جائیگا۔

مسافر ۲۔ میاں ان کے منھ کیوں لگتے ہو۔ یہ ان باتوں کو کیا جانیں۔

نندا۔ ہاں بھائی۔ ہم کیا جانیں۔ تیری یہ ماگمن۔ بر کی ڈھوبری اُڈ جاتی تو کے ہوتا؟

مسافر۔ ہوتا کیا۔ کوئی میں تمھاری طرح تھوڑا ہی چلّانے لگتا۔

بلدیوا۔ ارے نندا تو ادھر نے آجا نا۔ ان سے کوئی جیت سکے ہے تو اپنے چلم

کی بات بتا۔ کہاں ہو وہ تماکھو۔

نندا۔ تماکھو تو نکال لوں۔ پر آگ کہاں سے آوے گی۔

بلدیوا۔ آگ۔ یہ بھی سچی ہی کہی۔ میں بتاؤں۔ گاڑی والے صاحب سے مانگ لے۔

نندا۔ ابے جا مرے یار۔ بھلا وہ دیوے ہو۔ وہ تو اس صاحب نے اپنی کھاٹ جلا رکھی ہو۔ دیکھا نہیں تھا ہو گری سی بھر کے منہ میں دبا رکھی تھی۔

بلدیوا۔ تو پھر کیا کریں۔

نندا۔ بچے ہوئے صافے میں سے تھوڑا سا ہور پھاڑ لے اور آگ بنا لے۔ پھاڑ کے دیکھے ہے۔ یہ کیا چلم سے اچھا ہو۔

بلدیوا۔ (کپڑا پھاڑ نا) یہ لے۔

نندا۔ تیلی گھس اور ناولی سی اس میں لگا دے (دیا سلائی گھسنا اور پھونک مارنا)

مسافر۔ ارے یہ کیا مذاق ہے۔ گاڑی کے ڈبے کو اپنا گھر سمجھ رکھا ہو۔ آگ لگ گئی تو کیا ہوگا۔

مسافر ۲۔ میں یہ سوچتا ہوں کہ انھیں گاڑی میں بیٹھنے کا ٹکٹ کس نے دے دیا۔

نندا۔ مانگے تانگے میں نہیں آئے ہیں۔ ناک پہ پیسے مارے تھے جب ٹکس ملا تھا۔

مسافر۔ بندۂ خدا تمھیں یہ نہیں معلوم کہ ریل میں تمباکو پینا منع ہے۔

نندا۔ بھائی ہم نے پیسے دئے ہیں پیسے۔ ہم تو یہاں ہل چلا دیں گے۔ جس کو یہ دھواں برا لگے، اپنا منہ کھڑکی میں سے باہر نکال لے۔ بھر رے بلدیوا ناولی سی بھر اور انھیں نکن دے۔

(چلم بھر کر زور زور سے کش لینا۔ کھانسنا۔ اتنے میں کھڑکی کھلنا اور ٹکٹ چیکر کا داخل ہونا)

مسافر ۲۔ ٹکٹ چیکر صاحب آ گئے۔ اب یہ آپ نبٹ لیں گے۔

چیکر۔ ٹکٹ نکالو۔

نندا۔ او تنے داب دوں (آہستہ سے کہنا) یہ تو آنہہ لیا۔

بلدیوا کون ہے۔

نندا۔ وہی ٹکس دیکھنے والا۔

بلدیوا۔ پھر اب کیا کیا جاوے گا۔ مہارے پاس تو صرف ایک ہی ٹکٹ ہے۔

نندا۔ تو پھکر نہ کر۔ اپنا ٹکس اسے دکھا دیو۔ میں آپ اس سے نبٹ لوں گا۔

چیکر۔ تم ٹکٹ دکھاؤ۔

بلدیوا۔ ہوں۔ ٹکٹ بھی اس کو ہی دکھائیں۔ جب کہاں رہ گیا تھا جب دو روپیہ کا نقصان ہو گیا تھا۔

چیکر۔ یہ نقصان نقصان تم کیا بولتے ہو۔

مسافر۔ دراصل بات یہ ہے کہ یہ حضرت کھڑکی میں سے منہ نکال کر باہر دیکھ رہے تھے کہ ان کا صافہ گر گیا۔ وہ تو خیر ہو گئی کہ اس کا ایک سرا کھونٹی نے پکڑ لیا اور وہ کچھ بچ گیا۔

چیکر (ہنس کر) عجیب لوگ ہوتے ہیں یہ بھی (دوسرے سے) تم نکالو اپنا ٹکٹ۔

نندا۔ بابو جی۔ میں تو گریب مانس ہوں۔ کرٹے سے ٹکس لوں۔

چیکر۔ ہم نہیں جانتے غریب وریب کو۔ جلدی ڈبل کرایہ نکالو۔

نندا۔ بابو جی اب تو مہروانگی کر دو۔ آگی دیکھے دو لوں طرپ کا بھاڑا بھر دوں گا۔

چ ۔ فضول مت بولو۔ تمہارا کوئی سامان تو نہیں ہے۔

نندا ۔ جی حضور۔ وہ کھیس ہے جو کھڑکی پاس دھرا ہے۔

چیکر۔ جلد اٹھا کر لاؤ۔

نندا ۔ ابھی لو جی (کھڑکی کے پاس آکر) اورے بلدیوا۔ دکھیو میں باہر کو دوں ہوں تو ٹیشن کے باہر آجائیو ۔ واں کھڑا پاؤں گا۔

چیکر۔ پکڑو پکڑو۔ اسے مت کودنے دو ...... اُف کود گیا۔ خیر بچ گیا۔ گاڑی ہلکی چل رہی تھی۔ ورنہ ضرور مر جاتا ۔ (کچھ شور و غل کیساتھ گاڑی کا ٹھیرنا ۔)

راوی ۔ میلہ ۔

(شور و غل میلے کے سامان وغیرہ کی آوازیں)

نندا ۔ تھوڑا سا رگڑا لگا تو ہے۔ پھر کے ہو یا۔ اٹھنی تو بچا ہی لی ۔

حلوائی ۔ گرم جلیبی ۔ صرف تین آنے کی پاؤ بھر ۔

کیلے والا۔ تین تین پیسے ۔ تین تین پیسے ۔ ہری چھال والا۔ تین تین پیسے۔

چاٹ والا چاٹ بارہ مصالحے چاٹ ۔ پکوڑی گرما گرم ۔

نندا ۔ جلم ہو رہا ہے۔ سہر میں کے کے چیجیں بکیں ہیں ۔ یہاں تو روپیہ چاہیئے ۔ چاہے سارے میلے کو کھرید کے لے جاؤ ۔

بلدیوا۔ بات تو جچتی وی کہی ۔ تو کچھ لینا لوانا نہیں ۔

نندا ۔ بس دیکھے جا اور چلا چل ۔ یوں کس کس چیج نے خریدیگا ۔ ارے دیکھیو وہ بھیڑ سی کیا ہو رہی ہے ۔ چال وہاں چلیں ۔

حکیم ۔ جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے ۔ آزمائش شرط ہے کیسی ہی گدلی ہو آنکھ

سرمے کی سلائی سے بالکل ہو صاف۔ رات کو لگاؤ اور سو جاؤ۔ صبح کو نہ دھندلا پن رہے نہ گرد و غبار۔ یہ دیکھئے جس طرح میں نے ڈبیہ کے پانی میں ریت ڈالا ہو اسی طرح آنکھ میں گرد و غبار پڑ جاتا ہے۔ آنکھ دُکھنے آجاتی ہے۔ خراب ہو جاتی ہے۔ اب سرمہ کو گھسا، سلائی بھر کر لگائی۔ دیکھ لیجئے وہی پانی کا پانی اور گرد و غبار سب کافور۔ بس اسی طرح یہ سرمہ آنکھ کو صاف کر دیتا ہے۔ کوئی بھائی آگے آئے۔ ہماری ایک سلائی لگائے۔ اور تمام ہندو مسلمان بھائیوں کو بتائے کہ سرمہ نے کیا فائدہ دیا۔

آوازیں۔ حکیم جی ایک سلائی میرے۔ (مختلف آوازیں)

بلدیوا۔ ننداپو کے بیچ ہے۔

نندا۔ بید حکیم ہے بھائی بید حکیم۔ دوائی بیچے ہے۔ تو بھی گھلوا لے۔ گھلوا لے تو یو سرمہ آنکھوں میں۔

بلدیوا۔ نہ بھائی پھوڑ کے دھر دے گا۔ نندا، یہ اس کے پاس کپڑے کاڑے سے کیا ہیں۔

نندا۔ ان سب کی دوائی بنے ہے۔

حکیم۔ آنکھ میں دھند ہو۔ جالا ہو۔ پھولا ہو۔ موتیا بند ہو۔ روہے ہوں۔ گکرے ہوں۔ پڑبال ہو۔ آنکھ سے پانی جاتا ہو۔ سب کو چند روز کے استعمال سے دور کر دیتا ہو۔ آنکھ کا انجن دانت کا منجن۔ سر کے درد کی دوا۔ بھوجن بھسم چورن۔ درد۔ باؤ۔ گٹھیا سب مرضوں کی دوا ملتی ہو۔ جس بھائی کو درکار ہو لے۔ یہاں پر دوا چار آنے میں ملے گی۔ کارخانے سے منگاؤ تو

دوا دو روپے سے کم کی نہیں آئے گی۔

نندا۔ حد ہو گئی۔ لے چل اب وہاں چلیں۔ وہ جہاں بہت سے مانس کھٹے ہو رہے ہیں۔ (ڈگڈگی کی آواز)

بلدیوا۔ ارے یہ حکے سے منہ والا کیا کہ رہا ہے۔ یہ بھی تو سُن لو۔

مداری۔ میرے دونوں ہاتھ خالی ہیں۔ اب آپ کے سامنے یہ خاک کی چٹکی اُٹھاتا ہوں منتر پڑھا۔ ہاتھ کی مٹھی کو بند کیا۔ جادو کی چھڑی کرٹے پر لگا اور چھو۔ یہ لیجیے، نئے سکے کا چہرہ شاہی۔ (روپے کو چٹکی لگانا)

نندا۔ حد ہو گئی بھئی۔

مداری۔ دیکھئے۔ ابھی ابھی ٹکسال سے بن کر آیا ہو۔ اور لیجیئے میرے گرو نے ایک منتر بتایا۔ اب اس روپے پر منتر پڑھکر پھونکا اور مٹھی میں دبا کر رگڑا دیا۔ یہ لیجیے، چھو۔ ایک کے ہو گئے دو۔ (روپے بجانا)

بلدیوا۔ نندا چودھری یہ کیا بات ہو۔

نندا۔ بات کے بچی منتر سے روپے بنا را ہو اور موج کر را ہو۔

بلدیوا۔ یہ کام چوکھا ہے۔

نندا۔ ہور کے کسی کی ریں ریں نہ ٹھیں ٹھیں۔ تڑکے آٹھے۔ دس پانچ روپے بنائے۔ ہور پھر سارے دن لمبی تان کے سوئے۔

بلدیوا۔ یہ گُر اچھا۔ پوچھونا اس سے کیا بات ہو۔

نندا۔ ٹک اک مانس نے پرے ہو نے دے۔ پھر اس مداری سے پوجھیں گے۔

مداری۔ یہ دیکھیئے۔ ایک کاغذ کا ٹکڑا ہے اس کو ماچس لگاتا ہوں۔ (ماچس لیجیے)

جلکر خاک ہو گیا۔ اس خاک کو مٹھی میں دبایا۔ منتر پڑھکر پھونکا۔ دو بنائے تین تیار کئے۔ چوتھا لیجئے۔ پانچواں موجود ہی۔

نندا۔ جانے کا ٹن لگ را ہے۔ بس بھائی اب گام جاویں گے تو یو منتر پوچھ ہی کے جاویں گے

بلدیوا۔ لے اب تو سب چلے گئے۔ پوچھ لے۔

نندا۔ کیوں بھیا۔ یو منتر ہمنے بھی آجا۔

مداری۔ کونسا بھائی۔

نندا۔ یہ روپے بنانیکا۔ ہم بھی کیا یاد رکھیں گے کہ ہم نے کوئی اُستاج ملا تھا۔

مداری۔ ہاں۔ کیوں نہیں اجی وہ منتر کیا اس سے بھی بڑھیا منتر سکھا دُوں۔ کہو تو۔

نندا۔ چاچا پھر سکھا دینا۔ ہور کب سکھاوے گا۔

مداری۔ تمھارے پاس کچھ روپے ہوں تو لاؤ مجھکو دو۔ میں ان پر منتر پڑھکر پھونکدوں گا ان روپوں کو جیب میں رکھو یا گھر پر صندُوق میں۔ کتنے ہی روپیے خرچ کر ڈالنا۔ یہ کم نہ ہوں گے۔

بلدیوا۔ روپے بندھے کے بندھے مہارے پے لُلٹے آجانگے ؟

مداری۔ بے شک۔

نندا۔ بلدیوا تو پڑھواوے گا کہ نہیں۔

بلدیوا۔ تو پڑھواوے گا۔

نندا۔ ہاں ہاں۔

بلدیوا۔ تو میں کورا کیوں رہوں گا۔ میرے بھی پڑھوا کے دے۔

نندا۔ لاتو کا ڈھ کے لے را ہے۔ مَیں تو اپنے پانچ پڑھواؤں گا۔

بلدیوا۔ لے تو پھر پانچ میرے ملالے۔

نندا۔ لے بھائی انھیں پڑھ دے۔ ایسے کہ مہارے وارے کے نیارے ہو جاں۔

مداری۔ یہاں پر رکھ جاؤ اور تم میلے کی سیر کرو۔ ایک گھنٹہ کے بعد واپس آ جانا اور لیجانا۔

نندا۔ ایک گھنٹہ چھوڑ ہم دو گھنٹے کے بعد آ جانگے۔ پر ایسے پڑھ دیجیو کہ مہارا گوت کٹ جا۔ بھاری مٹھائی سٹھائی جو کچھ ہو گی اس سے ہم باہر نہیں۔

مداری۔ بے فکر رہو اور میلے کی سیر کرو۔

نندا۔ چل بھئی بلدیوا اور گھوم لیں۔

بلدیوا۔ چل اب کے وہاں چلیں۔ اس چوہٹر کی طرف۔

نندا۔ چلو (وہی سبزی مٹھائی اور چاٹ والے کی آوازیں)

بلدیوا۔ دیکھو کیسی سوہنی جوتی ہو۔

نندا۔ اور یو چمکیلا کپڑا نہیں دیکھا۔

بلدیوا۔ (سانس لیکر) ہاں بھائی کیوں نہیں۔

نندا۔ متنا ٹھنڈا سانس بھرے۔ کیوں مرنے کو ہو رہا ہے سب کچھ کھریدیجو۔

بلدیوا۔ لے تو پھر چل وہ لے آویں۔

نندا۔ ہاں بھت تو گھنا ہی ہو لیا۔ اب تو اس کا گھنٹہ بھی پورا ہو لیا ہو گا۔

بلدیوا۔ چال (وقفہ)

نندا۔ ادے بلدیوا۔ وہ تمبو تو وہاں نہیں دِکھتا۔

بلدیوا۔ ایں۔ بھاج کے چال۔ سچوں ہی بھئی۔

نندا۔ (گھبرا کر) پرے نے جا کے دیکھ۔ میں ادھر جا کے دیکھوں ہوں۔

بلدیوا۔ (واپس آکر) نندا...... ہائے...... نہیں پایا۔

نندا۔ نہیں پایا۔ چور تھا چور۔ ہائے لٹ گئے۔

بلدیوا۔ ہائے رے مار گرا (شور و شر)

شخص۔ کیا ہوا چودھری۔ کیا ہوا۔

نندا۔ لٹ گئے بھائیو۔ دس گھوس لئے اس روپے بنانے والے مداری نے۔

بلدیوا۔ تماکھو لینے کی کھاتر بھی ایک پیسہ نہ چھوڑا۔

شخص۔ چھ چھ چھ۔ بڑا ظلم کرتے ہیں یہ لوگ بھی۔ اور تم بھی تو ایسی ایسی باتوں کا دھیان نہیں رکھتے!

نندا۔ کے کریں۔ دیکھتی آنکھوں گڑا گیٹر بنا را تھا۔

نندا۔ (روتے ہوئے) چال بھائی بلدیوا۔ اب کے بنے یوں کہو کہ دس روپے پر ہی ٹلی۔ یہ تو سہر ہے۔ یہاں ان کا موکھ بیٹھ جا تو پہننے کے کپڑے بھی نہ چھوڑیں۔

بلدیوا۔ سچی کہے ہے۔ اب نام نہ لیجو میلے کا۔

نندا۔ تیرے ہی گھنی لگ رہی تھی...... ارے رام.....

(شور و غل۔ ہنسی وغیرہ کی آوازیں اور ختم)

۴۸۶

"رستم و سہراب"

راوی۔ رستم و سہراب ایران کے دو بڑے مشہور پہلوان گزرے ہیں۔ پرانے زمانے میں ایران دو حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ یہ دونوں علاقے ایران اور توران کے نام سے مشہور تھے۔ لیکن توران کے مقابلے میں ایران زیادہ مہذب گنا جاتا تھا۔ ان دونوں ملکوں میں اکثر لڑائی جھگڑا رہتا تھا۔ ایک دن ایران کے بادشاہ کیکاؤس کا دربار لگا ہوا تھا۔ امیر اور وزیر سب حاضر تھے اور

(کچھ دیر ساز۔ دربان آتا ہے)

غلام۔ شہنشاہ کا اقبال بلند رہے۔ رستم حضور سے ملنے کی اجازت چاہتے ہیں۔

کیکاؤس۔ اجازت ہی.....

رستم۔ شہنشاہ کے حضور میں رستم آداب بجالاتا ہی۔

ک۔ میرے بہادر دوست تم آگئے۔ ہمیں تمہارا ہی انتظار تھا۔

رستم۔ خادم حکم بجا لانے کے لیئے حاضر ہے۔

ک۔ توران کے وحشیوں نے پھر سر اُبھارا ہے اور ایران کی سرحد پر چھاپے مارنے شروع کر دیے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ انھیں پوری پوری سزا دی جائے تاکہ وہ پھر ایسی جرأت نہ کریں۔

رستم۔ میں حضور کا مطلب سمجھ گیا ہوں اور انتہائی کوشش کروں گا کہ حضور کو توران کی طرف سے پھر پریشان ہونے کا موقع نہ ملے۔ اب رستم کی تلوار اس وقت تک میان میں نہ جائے گی جب تک کہ توران کے خون سے اس کی پیاس نہ بجھ جائے۔

ک۔ بہادر رستم مجھے تم سے ایسی ہی امید ہے۔ جاؤ جتنی فوج کی ضرورت ہے اپنے ساتھ لیجاؤ۔ اور جلد ہی واپس آ کر ہمیں فتح کی خوش خبری سناؤ۔

رستم۔ میں آج ہی توران کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔

ک۔ ہماری دعائیں تمھارے ساتھ ہوں گی۔

رستم۔ تو فتح یقینی ہے۔ اچھا تو اجازت دیجیے۔ (کچھ دیر ساز۔ گھوڑوں کے ٹاپ) کیا خیال ہے تمھارا جعفر۔ توران کی سرحد یہاں سے کتنی دور ہوگی۔

غلام۔ میرا تو یہی اندازہ ہے آقا کہ ہم توران کی سرحد کے قریب آ پہنچے ہیں اس لیے ایک دو دن یہیں پر پڑاؤ کیا جائے اور اس کے بعد توران پر حملہ کر دیا جائے۔

رستم۔ تمھاری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم تھکاوٹ محسوس کر رہے ہو۔ اچھا فوج کو حکم دیدو کہ یہیں پر ڈیرے ڈال دے۔ کل صبح دشمن پر حملہ کر دیا جائیگا۔

غلام۔ بہتر آقا..... (فوج سے) ٹھیر جاؤ۔ آج یہیں پر قیام ہوگا۔

(شور کے ساتھ گھوڑوں کا رُکنا۔)

رستم۔ جعفر۔ اس درخت کے نیچے ہمارا خیمہ لگا دیا جائے اور ہاں ہمارے اس وفادار گھوڑے کو ہوشیاری سے لیجاؤ۔ اور تھان پر باندھ دو۔

غلام۔ لائیے۔ (چمکار کر چلنا۔ گھوڑے کا ہلکے ہلکے چلنا اور پھر مچلنا)

رستم۔ ہوشیار جعفر۔ مضبوطی سے لگام کو تھامے رکھو۔

غلام۔ آقا.... یہ تو.... (گھوڑے کا بھاگنا) چھوٹ کر بھاگ گیا۔

رستم۔ اُف غضب ہوگیا۔ اسکے بغیر رستم کیسے لڑ سکے گا۔ کہاں ہے ہمارا دوسرا گھوڑا۔ جلد لیکر آؤ۔ تاکہ میں اس کا پیچھا کروں (کچھ دیر ساز۔ کئی عورتوں کا ہنسنا)

سہیلی ۱۔ پیاری تہمینہ۔ اب کب تک یہیں پر رہو گی۔ چلو محل کو لوٹ چلیں۔

تہمینہ۔ کیوں۔ کیا یہ کسی اور کا باغ ہے۔

سہیلی ۲۔ کسی اور کا کیوں ہوتا۔ آپ کا ہے۔

ت۔ تو پھر ہماری مرضی ہے۔ ہم چاہے جب تک یہاں پر رہیں۔

س ۱۔ دل تو میرا بھی یہاں سے جانے کو نہیں چاہتا۔ لیکن ملکہ صاحبہ نے جو کہہ رکھا ہے کہ وقت سے محل میں واپس آجایا کرو۔

ت۔ امی تو یونہی کہہ دیا کرتی ہیں۔ کوئی ہم بچہ تھوڑا ہی ہیں جو ہمیں کوئی ڈرا دیگا۔

س ۲۔ جی۔ آپ کو تو کوئی نہیں ڈرائیگا۔ لیکن آپ سے ڈر تو جائے گا۔

(دونوں کا ہنسنا)

ت۔ دیکھو سکھی تم نے پھر وہی چھیڑ چھاڑ کی باتیں کیں ہمیں یہ باتیں پسند نہیں ہیں۔

س ۱۔ ایک بات کہوں۔
ت ۔ بس تو چپکی رہ۔ جانتی ہوں جو کچھ کہے گی۔
س ۱۔ میں نے کہا آخر کب تک ان چھیڑ چھاڑ کی باتوں سے نفرت رہے گی۔
ت ۔ دیکھ میں تجھے بتاتی ہوں اچھی طرح سے (مارنا)
س ۔ اوئی ..... اچھا جانے دو ..... میں کچھ نہیں کہتی ..... (ہنستے ہوئے بھاگنا)
ت ۔ ٹھیر تو سہی۔ اب کہاں بھاگتی ہو۔
س ۱۔ نہ بابا نہ۔ میرے میں تو اتنی ہمت ہی نہیں کہ اس غصے کو سہوں گی۔
س ۲۔ (ہنستے ہوئے) سکھی تو نہ سہی۔ پر کوئی تو ۔ ۔ ۔
ت ۔ اچھا چیونٹی کے بھی پر نکلے ... موئی تجھے تو میں ٹھیک ہی بنا دوں گی۔
س ۲۔ میری توبہ ..... میں تمہیں کچھ تھوڑا ہی کہہ رہی تھی۔ ۔ (گھوڑے کے ٹاپ کی آواز)
ت ۔ ارے ..... یہ کیسی آواز ۔ ۔ ۔
س ۔ ۱۔ کوئی گھوڑے سوار آتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔
س ۲۔ ہوتا کیا ... وہ تو بڑھتا ہی چلا آرہا ہے۔
ت ۔ پہرے دار کہاں مر گئے ..... اسے وہیں جاکر روکدو سکھی ۔ ۔ ۔
س ۲۔ ابھی جاتی ہوں۔ (دوسرے مائک پر) ٹھیرو ..... تم کون ہو اور کسکی اجازت سے اس باغ میں داخل ہوئے۔
رستم۔ میں کون ہوں اور کسکی اجازت سے باغ میں داخل ہوا اس بات کو پوچھنے والی تم کون ہو
س ۲۔ باغ کی مالکہ یعنی شہزادی تہمینہ کی سہیلی ......
رستم۔ اوہ ...... تو یہ باغ کسی شہزادی کا ہے اور اس کا نام تہمینہ ہے۔

س ۲- ادب سے لو ہماری شہزادی کا نام ۔ کسی غیر ملک کے باشندے معلوم ہوتے ہو اس لئے معاف کیا جاتا ہے ورنہ بے ادبی سے نام لینے کے جُرم میں تمھاری زبان کاٹ دی جاتی ۔

رستم ۔ (مُسکرا کر) صرف تمھارا ہی قصور نہیں ۔ تورانیوں کی یہ خاص عادت ہے کہ وہ ہر نئے آدمی پر رعب جمانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ تلوار ایسے آدمیوں کو اکثر سبق پڑھاتی رہی ہے ۔ گھبراؤ مت ۔ تم عورت ہو ۔ بہادر کی تلوار عورت کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی ۔ البتہ باغ کے پہریداروں نے ایسی بدزبانی سے کام لیا تھا اور اس کا نتیجہ انھیں مل گیا ۔

س ۔۲۔ یعنی تم نے ۔

رستم ۔ ہاں میں نے ۔

س ۔۲۔ پہریداروں کو قتل کر دیا ......

ت ۔ (دُور سے گھبرا کر) کس نے کس کو قتل کر دیا سکھی ...

س ۲ ۔ شہزادی صاحبہ یہ ڈاکو پہریداروں کو قتل کر کے ہمارے باغ میں گھس آیا ہے ۔

ت ۔ تم .... کون ہو تم .... شرم نہیں آئی تمھیں زنانے باغ کے پہرے داروں کو قتل کرتے ہوئے ۔

رستم ۔ اس وقت نہیں آتی تھی لیکن اب آ رہی ہے ۔ اگر پہریدار یہ بتا دیتے کہ یہ زنانہ باغ ہے تو میں اس طرف کبھی نہ آتا ۔ وہ بغیر کچھ کہے سُنے لڑنے مرنے کو تیار ہو گئے اور اس صُورت میں مجھے انھیں سزا دینی ضروری تھی ۔

س ۱ ۔ کس ڈھٹائی سے کہا جا رہا ہے سزا دینی ضروری تھی ۔

س ۲ - لیکن تمھیں اس باغ میں آنا کیا ضرور تھا -

رستم - میرا یہ گھوڑا میرے غلام کے ہاتھوں سے چھُٹ گیا تھا اسکے پیچھے مجھے یہاں تک آنا پڑا ۔صرف ایک رات یہاں ٹھیرنا چاہتا ہوں -

ت - بہانے بنانے خوب آتے ہیں -

رستم - معاف کیجیے شہزادی صاحبہ (بہانے اور بناوٹ عورتوں کے کام ہیں کم ازکم مجھے ان سے دُور سمجھیے -) اگر جھوٹ بولتا یا بہانے بناتا تو قتل کا الزام اتنی جلد قبول نہ کرتا -

ت - خیر میں کچھ سننا نہیں چاہتی ۔ اب تمھیں مرنے کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے -

رستم - کون سزا دیگا مجھے ۔ باہر تو کوئی بھی باقی نہیں بچا -

ت - کوئی پروا نہیں - ہمارے پاس تلواریں موجود ہیں - ہم خود .....

رستم - جی بیشک ..... لیکن یہ نازک ہاتھ دیر تک .....

س ۱ - خاموش -

س ۲ - چوری اور پھر سینہ زوری .....

رستم - آپ تو یونہی ناراض ہوئی جا رہی ہیں ۔سوچیے تو سہی ۔جب بڑے بڑے پہلوان لڑائی میں رستم کو نہ ہرا سکے تو آپ اس سے کیسے جیت سکیں گی -

ت - رستم - آپ رستم ہیں ....

رستم - جی ..... میں ہی رستم ہوں -

ت - یعنی تورانیوں کے سب سے بڑے دشمن -

رستم - جی ہاں وہ دشمن جو آج تک تورانیوں کے سامنے نہ جھکا تھا -

ت - اب کیا ہو گیا۔

رستم۔ ابھی ایک نئی جنگ شروع ہوئی ہے۔ اس میں مات کھاتا دکھائی دیتا ہے۔

س ۱- کیا بکتے ہو۔

س ۲- سُنا کچھ سکھی تو نے۔

ت - ایسے شخص کو زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

رستم۔ اور وہ مجرم سر جھکائے موجود ہے تلوار اُٹھائیے اور اس کا سر اُڑا دیجئے۔

س ۱- ایسا وقت بار بار نہیں آتا شہزادی صاحبہ۔ بس ایک ہی وار میں (وقفہ)

ارے یہ آپ کو ہو کیا گیا۔

س ۲- آپ کیا سوچ رہی ہیں شہزادی صاحبہ۔

ت - (ایک ہلکی سی آہ بھر کر) دیر ہو رہی ہے۔ امّی انتظار کر رہی ہوں گی۔

چلو محل میں چلیں۔

س ۱- اور مجُرم۔

س ۲- اسے بھی تو سزا دینی ہے۔

ت - یہ پھر دیکھا جائیگا.... اور پھر مجُرم کو معاف بھی تو کیا جا سکتا ہے۔

س ۲- ہوں۔

س ۱- یہ بات ہے۔

رستم۔ رستم اس جان بخشی کا شکریہ ادا کرتا ہے شہزادی تہمینہ....

س ۱- اچھا حضور۔ اب آپ یہاں سے تشریف لے جائیے۔ زیادہ باتیں بنانے کی

ضرورت نہیں۔

رستم۔ نہ جانے آج رستم کے پاؤں میں کونسی زنجیر پڑگئی۔ وہ جانا چاہتا ہے مگر نہیں جاسکتا۔

س ۱۔ تو تشریف رکھئے۔ ہم خود چلے جاتے ہیں۔ آئیے شہزادی صاحبہ چلتے ہیں۔ جلدی قدم بڑھائیے۔

رستم۔ مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔

ت۔ آپ ... اوہ ..... آپ .... سکھی تو جواب دیدے۔

س ۲۔ کہہ دوں۔ کچھ کہو گی تو نہیں۔

ت۔ نہیں۔

س ۲۔ تو سنئے۔ آپ حضور بادشاہ سلامت سے ملئے۔ ہم ملکہ صاحبہ سے کہیں گے ہمیں یقین ہے کہ آپکا سوال رد نہ کیا جائیگا۔ آئیے شہزادی صاحبہ۔

راوی۔ اور ہوا بھی ایسا ہی۔ توران کے بادشاہ نے یہ خیال کرکے کہ اس شادی سے ایران اور توران میں جو جھگڑے چلے آتے ہیں وہ ختم ہو جائیں گے۔ رستم کے ساتھ (نفیری) اپنی لڑکی کی شادی کردی۔ کچھ عرصے رستم وہاں رہا۔ آخر ایک روز .....

رستم۔ پیاری تہمینہ۔ ایک بات کہوں۔ اگر اجازت مل جائے تو .....

ت۔ اجازت کیسی ..... حکم دیجئے میرے سرتاج۔ مالک کو اپنی کنیز سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ حکم کرنا چاہیئے۔

رستم۔ اوہ میں تمھاری اس محبت کی قدر کرتا ہوں۔

ت۔ جی۔ فرمائیے۔

رستم - تمھیں معلوم ہی تہمینہ - تمھارا رستم کس ارادے سے توران آیا تھا۔

تہمینہ - جی ... (مسکراکر) توران کو لوٹنے اور برباد کرنے کے لیئے۔

رستم - لیکن خود لٹ گیا - اور .....

ت - خیر ... چھوڑیئے ان باتوں کو ... (مسکراکر) جو ہوا اچھا ہوا۔

رستم مگر مجھے تم سے آج کچھ اور ہی کہنا ہی۔

ت - وہ کیا - آج صبح سے آپ کچھ سوچ رہے ہیں - خیر تو ہی۔

رستم - دل میں ایک ہل چل سی مچ رہی ہی پیاری تہمینہ - میری باتوں کو سنو۔
اور کوئی مناسب رائے دو - تم جانتی ہو رستم ایران کا رہنے والا ہے۔
اور کیکاؤس کا نمک خوار ہی۔

ت - جی ہاں۔

رستم - وطن کی محبت اور بادشاہ کی نمک حلالی مجھے یہ اجازت نہیں دیتی کہ
اب میں زیادہ عرصے ایران سے باہر رہوں۔

ت - تو کیا آپ ایران واپس جا رہے ہیں۔

رستم - ہاں میرا فرض مجھے واپس جانے کے لیئے مجبور کر رہا ہے۔

ت - اور محبت - اس کا آپ کو کوئی خیال نہیں۔

رستم - محبت میرا راستہ روک رہی ہی اور اس کش مکش نے مجھے سخت پریشان
کیا ہوا ہے۔

ت - آپ نہ جائیے میرے آقا - میں آپ کے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گی۔

رستم لیکن میں ہمیشہ کے لیئے تو تم سے جدا نہیں ہو رہا - میں پھر آؤں گا۔

ت۔ بیشک آپ اپنا کہا پورا کر سکتے ہیں۔ مگر میرے دل میں طرح طرح کے خیال اُٹھ رہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ پھر کبھی ......

رستم۔ تمھارے پاس نہیں آؤں گا۔ یعنی اپنے دل کی ملکہ کو اپنے سے جدا کر دوں گا۔ ایسا خیال بھی دل میں نہ لاؤ تہمینہ۔ میں ضرور آؤں گا۔ دے دو اپنے رستم کو جانے کی اجازت۔

ت۔ (رو کر) کیسے کہدوں۔ آپ شوق سے چلے جائیں۔ مگر آپ کے بغیر میں زندہ نہ رہوں گی۔

رستم۔ تمھیں زندہ رہنا ہو گا تہمینہ۔ اپنے لئے نہیں تو اُس بچے کے لیے جس کی تم ماں بننے والی ہو۔

ت۔ او خدا ....

رستم۔ جواب دو۔ کیا تم اپنے ساتھ اُس بچے کو بھی مارنا چاہتی ہو۔ جو اگر لڑکا ہوا تو نہ صرف رستم بلکہ زال اور سام کے نام کو زندہ رکھے گا۔

ت۔ میں نے جو کچھ کہا اسے معاف کر دیجیے، مگر آپ ....

رستم۔ میں پھر جلد ہی واپس آنے کی کوشش کروں گا۔ لو یہ تعویذ اپنے پاس رکھو اگر لڑکی پیدا ہو تو اسکے بالوں میں باندھ دینا اور لڑکا پیدا ہو تو اُس کے بازو پر۔ غرض جو کچھ بھی خدا دے۔ مجھے فوراً ہی اس کی اطلاع دینا۔

ت۔ بہتر۔

رستم۔ آنسو پوچھ دو۔ رنج کو بھلا دو۔ کل ہم ایران روانہ ہو جائیں گے۔

ت۔ خدا مجھے آپ کی جُدائی کا غم برداشت کرنے کی طاقت دے۔

رستم۔ اور مجھے بھی۔

راوی۔ رستم ایران واپس آگیا اور کچھ ہی دنوں کے بعد تہمینہ کے لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام سہراب رکھا گیا۔ تہمینہ کی تمام خوشی اب یہ بچّہ تھا۔ اس نے اسکی اطلاع فوراً ہی رستم کو بھجوانی چاہی۔ مگر اسے ایک خیال گذرا...... ساتھ ہی اس کی سہیلیوں نے بھی اسے رائے دی کہ.....

س ۱۔ آپ کا خیال ٹھیک ہی شہزادی صاحبہ۔....

ت۔ پھر سوچ لو......

س ۲۔ یہ بات تو سوچی سچائی ہے۔ اگر آپ نے اپنے خط میں یہ لکھا کہ خدا نے آپکو بیٹا دیا ہے، تو لازمی بات ہو کہ رستم اسے اپنے پاس بلالیں گے۔ اور اپنی طرح ایک پہلوان بنانے کی کوشش کریں گے۔

ت۔ اور اس طرح میری زندگی کا یہ سکھ بھی مجھ سے چھین لیا جائیگا۔

س ۱۔ جی ہاں۔

ت۔ تو پھر کیا کرنا چاہیئے۔

س ۱۔ میں بتاؤں..... آپ لکھ بھیجیے کہ لڑکی پیدا ہوئی ہو۔ وہ خاموش ہو جائیں گے۔

ت۔ اور اس کے بعد جب وہ یہاں پر آکر دیکھیں گے۔ تب.....

س ۱۔ اس وقت کوئی نہ کوئی بات بنالیں گے۔ دیکھ لیجئے۔ ہم نے تو جو بات تھی وہ آپ کو سمجھا دی۔ باقی آپ بہتر سوچ سکتی ہیں۔

ت۔ مجھے تمہاری بات پسند ہے۔ بس تو میر منشی سے کہو کہ وہ لڑکی پیدا ہونیکی

اطلاع بھجوا دیں۔ جب وہ آئیں گے تو میں انھیں سمجھا دوں گی۔

راوی۔ لڑکی پیدا ہونے کی خبر کے بعد ادھر تو ایران کے لڑائی جھگڑے نے رستم کو توران جانے کی فرصت نہ دی اور ادھر سہراب بڑا ہوتا چلا گیا۔ خون نے اپنا رنگ دکھایا۔ تہمینہ سہراب کو لڑائی جھگڑوں سے دور رکھنا چاہتی تھی۔ مگر اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہوئی۔ اور سہراب نے ہوش سنبھالنے کے ساتھ ہی ساتھ تیغ اور تلوار کو بھی سنبھال لیا۔ اب اسے کسی بات کی جستجو تھی تو یہ تھی......

سہراب۔ اماں جان۔ آخر آپ مجھ سے یہ بھید کیوں چھپاتی ہیں۔ آپ مجھے کیوں نہیں بتاتیں کہ میرا باپ کون ہے اور کہاں ہے۔

تہ۔ میں اس وقت کا انتظار کر رہی تھی میرے بچے کہ تو جوان ہو اور ہر بات کو سمجھنے لگے۔ سو شکر ہے وہ وقت آن پہنچا۔ اب میں تجھ سے نہیں چھپاؤں گی۔

س۔ تو بتائیے نا کہ میں کس کا بیٹا ہوں۔

تہ۔ تیرے باپ کا نام ہے رستم۔

س۔ رستم...... (تعجب سے) ایران کے سب سے مشہور پہلوان۔ میں رستم کا بیٹا ہوں میرے باپ کا نام رستم ہے۔

تہ۔ ہاں میرے بچے۔ تیرے باپ کا نام رستم ہے۔

س۔ اماں۔ وہ یہاں کیوں نہیں آتے۔ ہم سے آکر کیوں نہیں ملتے۔

تہ۔ وہ ایران کے شہنشاہ کیکاؤس کے ملازم ہیں۔ بادشاہ انھیں یہاں آنے کی اجازت نہیں دیتے۔

س۔ تعجب ہے۔ بادشاہ اتنے بڑے پہلوان کو کیسے روک سکتا ہے۔

ت ۔ جب کبھی تو اوس سے ملے تو اس بات کو پوچھ لیجو۔

س ۔ ماں۔ میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے باپ سے جا کر ملوں

ت ۔ لیکن تو ان سے نہ مل سکے گا میرے بچے۔ کیکاؤس کبھی ایسا نہ ہونے دیگا۔
وہ تورانیوں کے نام سے جلتا ہے۔

س ۔ کیکاؤس جو رستم کے نام پر حکومت کرتا ہو اس کی یہ ہمت کہ ایک بیٹے کو اپنے باپ سے نہ ملنے دے۔ میں کہتا ہوں کیکاؤس کو ایران پر حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ایران پر رستم جیسے باپ کو حکومت کرنی چاہیے
اور میں ایسا ہی کروں گا۔

ت ۔ کیا کہہ رہے ہو سہراب۔ تم اپنے ہوش میں ہو۔

س ۔ اما جان۔ میں جو کہہ رہا ہوں، وہی ہو گا۔ رستم کا بیٹا رستم کے لئے ایران پر چڑھائی کرے گا۔ وہ کیکاؤس کو ماریگا اور اس کی بجائے رستم کو ایران کے تخت پر بٹھائے گا۔ مجھے اس کی اجازت دے دیجئے۔ اما جان۔ اپنی
زبان سے ہاں کہہ دیجئے۔

ت ۔ جا میرے بچے اپنا چاہا پورا کر۔ جس وقت اپنے باپ کے سامنے پہونچے
بازو پر بندھے ہوئے تعویذ کو دکھا دینا۔ وہ تجھے پہچان جائیں گے۔

س ۔ اوہ۔ کتنا اچھا ہو گا وہ وقت کہ سہراب اپنے باپ کے سر پر ایران کا
تاج رکھے گا۔ اما جان تم مجھے دعاؤں سے یاد کرنا۔

راوی۔ باپ کی محبت اور جوانی کے جوش نے سہراب کو مجبور کر دیا کہ وہ جلد سے جلد ایران پر چڑھائی کر دے۔ چنانچہ یہ کچھ فوج لیکر ایران کی طرف چلا۔

اور جو بھی مقابلے پر آیا اُسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تمام ایران میں ایک شور مچ گیا اور ہر ایک نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ نوجوان رستم کو بھی نیچا دکھا دیگا۔ اُدھر رستم کچھ عرصے سے شاہِ ایران سے ناراض تھا۔ مگر سہراب کے اِس اچانک حملے کی وجہ سے بادشاہ نے رستم کو پھر راضی کر لیا۔ اور سہراب کا مقابلہ کرنے کے لئے شاہِ ایران رستم کو میدانِ جنگ میں لایا۔ پہلے زمانے میں یہ قاعدہ تھا کہ ایک ایک بہادر سج دھج کر میدان میں نکلتا اور اپنے مقابلے پر دوسرے کو بُلاتا۔ چنانچہ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے (شور و شر۔ گھوڑوں کی آوازیں) تو سہراب نے اپنے ایک ساتھی سے کہا:۔

س۔ بہادر دوست۔ مجھے یقین ہو کہ میں آج اپنے باپ کو پالوں گا۔

دوست۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ لیکن کیسے۔

س۔ تم دیکھ رہے ہو، دونوں طرف کے جوان ایک دوسرے سے ٹکر لینے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ لیکن آج سب سے پہلے میں خود ایرانی فوج کے سب سے زیادہ بہادر کو اپنے مقابلے پر بُلاؤں گا۔ ایرانی فوج میں سب سے زیادہ بہادر میرے باپ رستم ہیں۔ کیکاؤس یقیناً رستم ہی کو میرے مقابلے کے لئے بھیجے گا۔

دوست۔ جی اور اس طرح سے آپ انھیں پالیں گے۔

س۔ تو اب مجھے دیر نہیں کرنی چاہیئے (گھوڑوں پر روانہ ہونا۔ جنگی نقارہ) سہراب ایرانی فوج کے سب سے زیادہ بہادر کو مقابلے کی دعوت دیتا ہے جسکو اپنی موت پیاری ہو وہ آئے (کچھ دیر شور)

سردار۔ میرے حضور یہی وہ تورانی نوجوان ہے جسے ابتک کوئی نہ ہرا سکا۔
ک ۔ اور جس کی بڑی تمنا یہ ہے کہ ہم سے ایران کا تخت چھین لے اور ایرانیوں کو
تورانیوں کا غلام بنا دے۔
سردار۔ یہی بات ہے شہنشاہِ عالم۔
ک ۔ لیکن آج اگر کوئی بہادر اس کا مقابلہ نہ کرسکا تو اس کا چاہا پورا ہوجائیگا۔
اور ایران ہمیشہ کے لئے توران کا غلام بنجائے گا۔
سردار۔ رستم کے علاوہ اور کسی میں اتنی ہمت نہیں ہو کہ سہراب کا مقابلہ کرسکے۔
ک ۔ تمھارا خیال ٹھیک ہی۔ ہم خود رستم کے پاس جاتے ہیں اور اسے مقابلے کے
لئے تیار کرتے ہیں۔ ..... (دوسرے مائک پر)
س ۔ (زور سے) ابھی تک کوئی جواب نہیں ملا۔ کیا میں یقین کرلوں کہ سہراب
کے مقابلے کے لئے ایرانی فوج میں کوئی بہادر موجود نہیں ہو۔
ک ۔ ہاں کہو رستم۔ ورنہ ایران کا سر ہمیشہ کے لئے نیچا ہوجائے گا۔ جلد آگے
بڑھو بہادر رستم۔ تمام فوج کی نگاہیں تمھاری طرف پڑرہی ہیں۔ قبول کرلو۔
میرے دوست سہراب کا مقابلہ۔
س ۔ تو کیا سہراب اپنے خیمے کو واپس لوٹ جائے۔
رستم۔ (زور سے) نہیں ..... وہیں ٹھیرو۔ میں تم سے مقابلے کیلئے آتا ہوں ....
(گھوڑے پر روانا ہونا) سنبھالو ہتھیار۔ تم کونسے ہتھیار سے لڑنا پسند کرتے ہو۔
س ۔ جس پر تمھیں ناز ہو۔
رستم۔ اتنا گھمنڈ۔ تو پہلے تلوار بازی ہی کا مقابلہ ہوگا۔

س - لیکن مقابلے سے پہلے میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں۔

رستم - کہو۔

س - کیا تمھارا ہی نام رستم ہے۔

رستم - نہیں میں رستم نہیں ہوں...... تمھارا خیال ہو کہ رستم ایک بچے کے مقابلے پر آئیگا۔ پہلے مجھے ہراؤ اس کے بعد کہیں رستم کے مقابلے کے خواب دیکھنا۔

س - تو تم رستم نہیں ہو۔

رستم - ایک مرتبہ کہہ تو دیا میں رستم نہیں ہوں۔

س - میں رستم کو بُلانا چاہتا تھا لیکن تم آئے اور رستم کو میدان میں بُلانے کے لئے یہ ضروری ہو کہ پہلے تمھارا کام تمام کیا جائے۔ تو ہوشیار ---

(تلواروں سے لڑنا)

رستم - تلواریں ٹوٹ گئیں تو کوئی پرواہیں۔ گرز سنبھالو۔

سردار - ایرانی اور تورانی بہادرو۔ شام ہوگئی ہو اس لئے لڑائی کے قانون کیمطابق اب تم دونوں کو لڑائی بند کردینی چاہیئے۔ کل پھر یہ مقابلہ شروع ہوگا۔

(لڑائی بند ہونا اور کچھ دیر ساز)

ک - بہادر رستم شاباش۔ آج تم نے کیکاؤس کی ڈھارس بندھائی۔ ورنہ وہ ناامید ہوگیا تھا۔

رستم - لیکن رستم اسے بھی اپنی ہار سمجھتا ہو کہ وہ ایک بچے کو لڑائی میں نہ ہرا سکا۔ اس شرم کیوجہ سے میں نے اسے اپنا نام بھی نہیں بتایا۔

کیکاؤس - لیکن تم خود بھی تو نہیں ہارے۔ اور پھر وہ نوجوان ہے۔ جتنا بھی زور دکھائے

کم ہے۔

رستم۔ بیشک۔ طاقت میں سہراب کسی طرح بھی ژال اور سام کے خاندان سے کم نہیں ہے۔ کاش میرے بھی لڑکی کی بجائے لڑکا ہوتا۔ آج وہ اتنا ہی بڑا ہوتا میرے حضور جتنا سہراب ہے۔ میں بوڑھا ہو چلا ہوں۔ وہ میری بجائے اِس تورانی نوجوان کا مقابلہ کرتا اور اسے نیچا دکھاتا۔ اور اس طرح نہ صرف میرا بلکہ ژال اور سام کے خاندان کا نام اونچا کرتا۔

ک۔ ٹھیک ہے۔ مگر قدرت کو یہ منظور نہیں تھا۔ بہر حال تمھیں اتنا پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ کل یقیناً تم اسے ہرا دو گے۔ اچھا۔ اب تم آرام کرو تاکہ آج کی تھکاوٹ دُور ہو جائے۔۔ (ساز پھر جنگی ساز)

(گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز)

راوی۔ دوسرا دن۔

س۔ ایرانی بہادرو۔ تم آ گئے۔

رستم۔ تورانی نوجوان کو اس کے کیئے کی سزا دینی جو ضرور ہے۔

س۔ (مسکرا کر) خوب خوب۔ لیکن یہ فیصلہ تلوار کرے گی کہ سزا کسے ملنی چاہیئے۔

رستم۔ تو نکالو اسے میان سے باہر میرے پاس تمھاری بکواس سننے کو بیکار وقت نہیں ہے۔

س۔ مَیں لڑنے کے لئے تیار ہُوں۔ مگر تم سے پھر وہی بات پوچھنا چاہتا ہُوں۔

رستم۔ مَیں جواب دینے کے لئے تیار ہوں۔

س۔ کیا تمھارا نام رُستم ہے۔ کیا تم ہی وہ بہادر ہو جس پر ایران کو ناز ہے۔

رستم۔ خاموش۔ رُستم کا نام بار بار اپنی زبان پر نہ لاؤ۔ پہلے مجھے ہراؤ۔ اسکے بعد

رستم سے تمہارا مقابلہ ہو سکے گا۔

س کیا تمہارے بعد رستم سے میرا مقابلہ ہو سکے گا۔ اوہ۔ پھر تو جتنی جلد تمھیں خاک میں ملا دیا جائے اچھا ہے۔

رستم۔ تو سنبھلو (تلواروں سے لڑنا)

س۔ ہوشیار۔ تلوار کو مضبوط تھامے رکھو۔ تمھارا ہاتھ کانپ رہا ہے۔

رستم۔ لیکن یہی ہاتھ شمشیر تمھارے سینے میں بھونکنے کے لئے بیچین ہے۔

س۔ (لڑتے ہوئے ہنسکر) رستم نے بھول کری جو پہلے تمھیں بھیجا۔ سنبھلو ۔۔۔ مگر نہیں۔ تمھاری تلوار اب میری تلوار کا مقابلہ نہیں کر رہی ہے۔ اسے پھینکدو اور کُشتی لڑتے ہوئے خنجر کی لڑائی لڑو۔

رستم۔ میں تیار ہوں۔ (تلواریں پھینکنا۔ کُشتی لڑنا)

س۔ تم چاروں شانے چت ہونے والے ہو۔

رستم۔ تمھارا خیال ہے۔

س۔ تو سنبھالو اپنے آپ کو (کسی چیز کا گرنا) (ہنسکر) میں نہ کہتا تھا کہ تم میرے خنجر کا مقابلہ نہ کر سکو گے۔ اب میرا یہ خنجر تمھارے سینے کے پار ......

رستم۔ ٹھیرو۔ ہاتھ روکو۔ بیشک تم اس خنجر سے میرا کام تمام کر سکتے ہو۔ لیکن شاید تمھیں ایران کا قاعدہ معلوم نہیں۔

س۔ وہ کونسا قاعدہ ہے بیان کرو۔

رستم۔ بہادر بہادر کو ایک موقع اور دیا کرتے ہیں۔

س۔ یہ بات ہے تو میں نے تمھاری جان بخشی کی (دُور) پھر تلوار اُٹھاؤ۔

سردار۔ لیکن شام ہو گئی ہے اور قاعدے کیمطابق آج پھر لڑائی روکدینی چاہیئے۔

رستم۔ تو بھی دیکھا جائے گا۔ (کچھ دیر ساز)

سردار۔ معزز رستم۔ شہنشاہ آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔

رستم۔ رستم آج کی رات اس خیمے میں گزارنا چاہتا ہے۔ اُن سے عرض کردو کہ میں آج دربار میں حاضر نہیں ہو سکوں گا۔

سردار۔ شہنشاہ کو آپ سے کوئی ضروری مشورہ کرنا ہے۔

رستم۔ اب رستم کل کی جنگ کے بعد ہی شہنشاہ کو اپنی شکل دکھا سکے گا۔ اگر فتحیاب ہو کر آیا تو زندہ آئیگا۔ ورنہ اس کی لاش شہنشاہ کے دیکھنے کے لئے منگائی جا سکے گی.... اچھا۔ تم جاؤ...... اے بھولی ہوئی باتوں کو یاد رکھنے والے مالک۔ آج رستم تجھ سے ایک آخری دُعا مانگتا ہے۔ جوانی میں میں نے دُعا کی تھی کہ میری بے انتہا طاقت کا کچھ حصّہ مجھ سے واپس لے لیا جائے۔ تو نے وہ دُعا قبول کرلی تھی۔ آج میں تجھ سے وہی طاقت واپس مانگتا ہوں۔ میری دی ہوئی چیز مجھے واپس مل جائے۔ میری امانت مجھے لوٹا دی جائے۔ میرا بڑھاپا پھر جوانی میں تبدیل ہو جائے۔ صرف کل کے لئے۔ تاکہ میں سہراب کو نیچا دکھا سکوں۔

راوی۔ تیسرے دن۔ (گھوڑوں کا آنا)

رستم۔ (مسکرا کر) بوڑھے ایرانی شہ زور۔ آج ہماری تمہاری لڑائی کا فیصلہ ضرور ہو جانا چاہیئے۔

رستم۔ اور ضرور ہوگا۔ تو کیا دیر ہے۔ وقت ضائع نہ کرو اور تلوار نکالو۔

س۔ لیکن آج آخری مرتبہ میں تم سے وہی سوال پھر کرتا ہوں۔ بتا دو بہادر ایرانی۔ کیا تم ہی رستم ہو۔

رستم۔ تم پاگل ہو گئے ہو۔ میں کہتا ہوں تمہاری زبان پر گھڑی گھڑی رستم کا نام کیوں آتا ہے۔

س۔ ویسے ہی۔ میں..... کچھ نہیں..... کوئی خاص بات نہیں۔ بہادر بہادر کے متعلق پوچھ ہی لیا کرتے ہیں۔ بتا دو اچھے آدمی کیا تم وہی ہو۔

رستم۔ نہیں۔ میں رستم نہیں ہوں۔

س۔ تو میں غلطی پر تھا۔ لیکن میں تم سے کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے مقابلے سے ہٹ جاؤ اور رستم کو بھیج دو۔

رستم۔ یعنی اپنی ہار مان لوں۔

س۔ میں تمہیں ہارا ہوا نہیں سمجھوں گا۔ اس صورت میں میں تمہیں اپنا بزرگ اور دوست سمجھوں گا۔ اسکے علاوہ میرا دل یہ نہیں چاہتا کہ میں اپنی تلوار کی پیاس تمہارے خون سے بجھاؤں۔ ہماری لڑائی کو آج تیسرا دن ہے۔ مگر میں جب بھی تم پر وار کرتا ہوں کوئی غیبی طاقت میرا ہاتھ روکنے لگتی ہے مگر مجھے مجبوراً تم سے لڑنا پڑتا ہے۔

رستم۔ (ہنسکر) بیوقوف نوجوان، ایک پرانے جنگجو کو اپنی باتوں سے پھسلانے کی کوشش نہ کر۔ تو چاہتا ہے کہ تجھ سے صلح کر کے میں اپنے ملک اور قوم سے غداری کروں۔

س۔ تم غلط سمجھ رہے ہو۔

رستم۔ خیر۔ اب میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ بکواس بند کرو اور مقابلے پر آؤ۔

س۔ (غصّے سے) تو گویا تم نے مجھے بزدل سمجھ لیا تھا۔ سنبھلو (تلوار سے لڑنا)

رستم۔ تلواروں سے کام نہیں چلے گا۔ گرز نکالو..... (لڑنا) خنجر نکالو اور دست بدست لڑائی لڑو۔

س۔ کوئی اور وار باقی رہ گیا ہو تو اسے بھی آزما دیکھو۔

رستم۔ کشتی اور اس کے بعد جو بھی پچھڑ جائے خنجر سے دوسرے کا کام تمام کر دے۔

س۔ منظور۔ آؤ۔ (کشتی لڑنا)

رستم۔ تم چت ہوا چاہتے ہو سہراب سنبھلو۔ ہوشیار کہ تمھارا آخری وقت قریب آپہنچا..... (سہراب کا پچھڑنا اور رستم کا خنجر بھونکنا)

س۔ آہ..... آہ..... آہ.......

رستم۔ اب کسی تورانی کو ایران پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ میرا خنجر تمھارے سینے کے پار ہو گیا ہے۔ اور جلد ہی تم موت کی تکلیف سے نجات پا جاؤ گے۔

س۔ تم..... سچ کہتے ہو ایرانی سردار..... پر تم نے..... مجھے ذرا بھی مہلت نہ دی....

رستم۔ یعنی تمھیں زندہ رہنے دیا جاتا..... دشمن کا جتنی جلد ہو سکے قصّہ پاک کر دینا چاہیئے۔

س۔ سہراب کو مرنے کی کوئی پروا نہیں۔ مگر وہ مرنے سے پہلے اپنا ایک ارمان

پورا کرنا چاہتا تھا۔ کاش کہ اس کا چاہا پورا ہو جاتا۔

رستم۔ بیان کرو۔ ہو سکتا ہی کہ میں تمھارا آخری چاہا پورا کر دوں۔

س ۔ میں اپنے باپ کو دیکھنا چاہتا تھا اور یہی ارمان مجھے یہاں تک کھینچ کر لایا مگر میرا خیال ہے کہ تم چاہو تو اب بھی میرا چاہا پورا ہو سکتا ہے۔ میرا باپ ایرانی فوج میں موجود ہی۔ تم اسے بُلا لاؤ۔ ممکن ہو اس کے آنے تک میں زندہ رہوں۔

رستم۔ تمھارا باپ ایرانی فوج میں موجود ہی۔ کون ہی وہ بدنصیب۔ مجھے بتاؤ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھاری یہ آخری تمنّا پوری کروں گا۔

س ۔ میرا باپ ...... رستم کے سوا اور کون ہو سکتا ہی۔

رستم۔ تم ...... رستم کے بیٹے ہو۔ جھوٹ۔ غلط۔ رُستم کے تو کوئی بیٹا ہی نہیں ہُوا وہ تو صرف ایک بیٹی کا باپ ہی۔

س ۔ یہ وقت بحث کرنے کا نہیں۔ تم رستم کو بلا لاؤ۔ میں ان کا ہی بیٹا ہُوں۔ رستم لڑکی کا نہیں ایک لڑکے کا باپ ہے اور وہ میں ہُوں۔

رستم۔ تم۔ رستم کے بیٹے ہو۔ کیا یہ غلط ہی کہ رستم ایک لڑکی کا باپ ہی۔

س ۔ ہاں یہ غلط ہی۔ میری ماں نے صرف اس ڈر سے لڑکی ظاہر کی کہ کہیں رستم اس سے اس کا بچّہ چھین کر نہ لیجائے۔

رستم۔ لیکن رستم کے لڑکے کے پاس اسکے خاندانی تعویذ کا ہونا ضروری ہے کیا تمھارے پاس وہ موجُود ہی۔

س ۔ جی ہاں۔ موجُود ہے۔ یہ دیکھئے۔

رستم۔ اوہ ..... تم ..... کیا تم میرے بچے ہو۔

س۔ کیا آپ ہی رستم ہیں۔ کیا آپ ہی میرے باپ ہیں۔

رستم۔ ہاں میرے بچے۔ میں ہی تمھارا بدنصیب باپ رستم ہوں۔

س۔ یہ آپ نے کیا کیا پیارے ابا۔ اپنا نام پہلے ہی دن کیوں نہ بتایا۔

رستم۔ اس لئے کہ ایک نو عمر سے لڑنا میں اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا... یہی نہیں بلکہ اسلئے بھی کہ مجھے اپنے بچے کے سینے میں اپنے ہاتھ سے خنجر بھونکنا تھا۔

س۔ پیارے باپ جو ہو گیا سو ہو گیا۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ میرے ہاتھ سے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔

رستم۔ مگر سہراب ٹھیرو۔ میرا خیال ہے کہ تم بچ جاؤگے۔ میں شہنشاہ کے پاس جاتا ہوں ان کے پاس ایک ایسی دوا ہے جو مرتے ہوئے کو زندہ کر سکتی ہے۔

س۔ آپ میرے پاس سے نہ جائیں میں چاہتا ہوں کہ مرتے ہوئے آپ میری نظروں کے سامنے ہوں۔

رستم۔ ذرا ٹھیرو۔ میں ابھی آتا ہوں..... میں ابھی آیا میرے سہراب اس دوا کے استعمال سے تم فوراً اچھے ہو جاؤگے..... مجھے وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ میں ابھی آیا....

س۔ اچھا..... جیسا آپ مناسب سمجھیں کریں..... آہ..... آہ.....

راوی۔ رستم کو پورا بھروسہ تھا کہ کیکاؤس رستم کو وہ دوا دیدیگا لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ سہراب رستم کا بیٹا ہے تو اُسنے اس دوا کے دینے سے صاف انکار کر دیا۔ اسے خیال گزرا کہ اگر سہراب اچھا ہو گیا کہ دونوں باپ اور بیٹے ملکر اسے ایران کے تخت سے اُتار دیں یہی نہیں بلکہ دنیا پر قبضہ کرلیں گے... جب رستم بالکل نا امید ہو گیا تو وہ پھر سہراب کے پاس واپس

آیا اُس وقت سہراب دم توڑ رہا تھا۔

س ۔ (ہلکی آواز میں) آہ ...... آہ ...... ابا آپ گئے۔

رستم۔ ہاں میرے بچے۔ میں تیرے پاس آگیا۔ مگر خالی ہاتھ۔ کیکاؤس نے صاف انکار کر دیا۔ اس نے رستم کی خدمات کی کوئی پروا نہ کی۔

س ۔ جانے دیجیے ابا۔ آپ بیٹھ جائیے اور مرتے ہوئے سہراب کا سر اپنے زانو پر رکھ لیجیے

رستم۔ میرے سہراب۔ تم ایک بوڑھے باپ کی کمر توڑ رہے ہو کیا اچھا ہو کہ تمھاری موت مجھ کو آجائے۔ میں دنیا دیکھ چکا ہوں۔ مگر تم نے تو ابھی کچھ بھی نہیں دیکھا۔

س ۔ لیکن دنیا میں جس کام کے لئے نکلا تھا۔ اسے پورا تو کر لیا۔ مجھے اپنے باپ کو ڈھونڈنا تھا۔ اور میں خوش ہوں ......

رستم۔ کہ تم اپنے باپ کی گود میں دم توڑ رہے ہو۔ سہراب میری طرف دیکھو۔ تم نے آنکھیں کیوں پھرالیں۔ آنکھیں کھولو میرے بچے ...... میری طرف دیکھو۔

س ۔ (ہلکی آواز) اب جواب دینا مشکل ہو گیا ہے۔ موت سامنے دکھائی دے رہی ہے۔ آخری مرتبہ مجھے پیار کر لو ابا۔ میرے منہ پر اپنا منھ رکھ دو۔

رستم۔ سہراب۔ میری پہلی اور آخری نشانی۔ کچھ دیر اور ٹھیر۔ بوڑھے رستم کو اپنے خون سے منہ لال کرنے دے ......

س ۔ الوداع۔ پیارے ابا ...... الوداع ...... (ہچکی لینا)

رستم۔ سہراب ...... سہراب ...... ذرا ٹھیر۔ ایک مرتبہ پھر اپنے منہ سے مجھے باپ کہہ کر پکار ...... سہراب ...... سہراب ......

(کچھ دیر غمگین ساز)

"پڑھائی کی عینک"

(دیہاتی زبان میں)

راوی (ایک چودھری صاحب جو اپنے مکان کی دہلیز میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ پوسٹمین کی بائیسکل دیکھکر کہتے ہیں)

چودھری۔ (حقے کا گھونٹ لیکر) کے جانے دھرتی کا کے بن کے رہیگا۔ کے کے چیجیں چال رہی ہیں۔ ریل۔ لوٹر۔ ہبائی جہاج۔ اور یو کاٹ کا گھوڑا۔ (یعنی سائکل) اس نے تو اب کوئی بوجھ ابھی نا ہیں۔ دھانگ چوڑے چمار دابے دلبے پھریں ہیں۔ (حقہ پینا) پر دیکھا جائے تو ہے کام کی چیج اس منشی جی نے دیکھ لو۔ چھٹیان کا تھیلا بگل میں مار کے اس نے جو ل دابے ہے ڈاک کہانے تے یاں تک آنکھ نا ہیں جھبکتی۔ جو آجا ہے۔ ہور دنیا کی چھٹی چپاٹی بانٹ بونٹ کے دوپہری سے پہلے پہلے اپنے گھر جا کے سو جا ہے .... (سائکل کی گھنٹی کی آواز)

پوسٹ مین - ارے بھئی یہ چودھری شیرا کونسا ہے - چودھری شیرا -

چودھری (گھبرا کر) چودھری شیرا - چھوٹو کا -

پوسٹ مین - (نزدیک آکر) چھوٹو وو ٹو کی ہمیں خبر نہیں - اس پر تو صرف چودھری شیرا لکھا ہوا ہے -

چودھری - منشی جی شیرا تو میرا بھی نام ہے - پر میں تو چھوٹو کا ہوں -

پوسٹ مین - چھوٹو سے کیا مطلب ہے - ہاں تو ..... اس ہیر میں تمھارے سوا کوئی اور شیرا تو نہیں ہے -

چودھری - نہ جی - اس نگر میں تو اس نام کا میں ہی ہوں -

پوسٹ مین - تو تو پھر یہ تمھارا ہی خط ہے -

چودھری (ڈر کر) کرتے سے آکو دا - منے تو اس خط پت سے ڈر ہی لاگے ہے -

پوسٹ مین - لو جلدی لو -

چودھری - منشی جی - ایک بے آن نے سنا تو دو - کے لیکھا ہے -

پوسٹ مین - بھئی مجھے سنانے وناننے کی فرصت نہیں ہے - ابھی سینکڑوں چھٹیاں اور بانٹنی ہیں - اگر ہر ایک چھٹی والے کو یونہی پڑھ پڑھکر سناتا رہونگا تو مرلونگا -

چودھری - نا منشی جی - ایسی بات کیوں کہو ہو تھکے وے آئے ہو بیٹھو حقہ پیو - کھاٹ گیر دوں - پانی پات دودھ وادھ لو (لڑکے کو آواز دینا) للّو رے او للو -

للّو - آہو -

چودھری - لا منشی جی کھاتر ایک گڈوی دودھ کی لا -

پوسٹ مین - مہربانی ہے چودھری تمھاری - بات اصل میں یہ ہے کہ مجھے جلد ہی واپس جانا ہے -

چودھری ۔ چائے جائیو منسی جی یہ بھی تو تھارا ہی گھر ہے ۔

پوسٹ مین ۔ بھئی یہ تکلیف نہ کرو ۔ مجھے تو بس پانی ہی پلا دو ۔

چودھری ۔ نا منسی جی ۔ کے تکمیل تھی ۔ پی لو ۔ جان سی آجا گی ۔

پوسٹ مین ۔ وہ خط کہاں گیا ۔ لاؤ پھر اتنے لسے ہی سُنا دوں ۔ دیر تو ہو گی مگر خیر ۔

چودھری ۔ مہر واند گی ۔ کرطے گیا ۔ لے تو تھا ہی ۔ (خط تلاش کرنا)

پوسٹ مین ۔ دیکھنا شاید تم نے اس اپنے صافے میں باندھ لیا تھا ۔

چودھری ۔ کھبنڈ کے میں ۔ ٹھیک ہے منسی جی لو سُنا دو ۔ ارے لایا نہیں او للو کت مر گیا ۔

للو ۔ لاؤں ہوں ۔ (لے آتا ہے)

پوسٹ مین ۔ لو چودھری تم ذرا میرا بیگ اس بائیسکل پر سے اُتار لاؤ ۔

چودھری ۔ چھورے او چھورے جا اپنی دھوتی سے اس گھوڑے کا میل تار دے ۔

پوسٹ مین ۔ نہیں بھئی چودھری میل نہیں ۔ بیگ جس میں چٹھیاں رکھی ہوتی ہیں ۔

چودھری ۔ او، کو تھلا سا ۔

پوسٹ مین ۔ ہاں ۔

چودھری (گھبرا کر) اس میں مہارے نام کی کوئی اور چٹھی سے ۔

پوسٹ مین ۔ نہیں اور تو کوئی چٹھی نہیں ہے ۔ اس میں تو میری آنکھوں کی عینک رکھی ہوئی ہے ۔

چودھری ۔ اچھا ۔ (بیگ لانا) لو منسی جی ۔

پوسٹ مین ۔ لاؤ ۔ (عینک نکالنا)

چودھری ۔ منسی جی یو کیوں کا ڈھا ۔

پوسٹ مین ۔ بھئی میں اس کے بغیر پڑھ نہیں سکتا ۔ لو سُنو ۔ چودھری شیرا کو مانگے کی طرف سے

بعد رام رام کے واضح ہو کہ اگلی فصل تک اپنے چھوکرے کے بیاہ کو اور روک دو
کیوں کہ آج کل مجھے بہت زیادہ کام کاج ہو رہا ہے۔

چودھری (غصے سے) تیرے کام کاج کا کے اوتھے ہے منشی جی اس میں کہہ دیجیو
کے ایک گھڑی نے بھی بیاہ نے نا ہیں روکوں گا۔

پوسٹ مین۔ ارے بھئی ذرا سُن تو لو۔ بعد میں جیسی تمہاری مرضی ہو کرنا۔

چودھری۔ نا جی یوں کیونکر روک دیں۔ سارے گام میں بات پھیل چکی۔ اب کیے ہے
روکدوں۔ آیا کہیں سے چال کے اکان والا۔ ہور کے لکھے ہے۔

پوسٹ مین۔ اور یہ کہ آج کل یہاں پر سردی بہت پڑ رہی ہے۔

چودھری۔ سردی کا کے ہے یو تو پڑ کے رہے گی۔ تو ن جما جا ہے۔ ہور۔

پوسٹ مین۔ اور یہ کہ سب کو میری طرف سے رام رام۔

چودھری۔ ٹھالی رام رام میں کے بنے گا منشی جی۔ مطبل کی بات کہو۔

پوسٹ مین۔ بس اب تو ختم ہی ہو گیا۔ اب کیا کہوں۔ لو اب میں چلتا ہُوں۔

چودھری۔ بس۔ لکھتے وے نے سرم کو نا آئی۔ دو حرف لکھ کے گھال دیا (وقفہ) منشی جی
ہور تو جو ہوئی سو ہوئی پر یو اور بتاتے جاؤ کہ یہ چاسما کے ایک پیسے کا آوے ہے۔

پوسٹ مین (ہنسکر) بھئی چودھری۔ یہ چیزیں پیسوں کی نہیں آیا کرتیں روپوں کی آیا کرتی
ہیں۔

چودھری۔ روپوں کی۔ کے ایک رپیے لاگ جائیں گے۔

پوسٹ مین۔ جیسا مال ہو ویسی ہی قیمت ہوتی ہے۔ یہی پانچ سات روپیوں
میں آجا وے گا۔

چودھری۔ ہو ملے گا کرڑے۔

پوسٹ مین۔ یہی روہتک میں جا کر لیلو یا دہلی میں۔ دونوں شہر تمہارے نزدیک ہی ہیں۔

چودھری۔ کروں گا منشی جی اس چاسمے کی کھاتر پان سات روپیوں کا خون کرونگا۔

پوسٹ مین۔ اچھا بھئی میں اب چلتا ہوں (گھنٹی بجنا اور چلا جانا)

چودھری۔ (خود سے) دیکھو رے چار انگل کے چاسمے نے کے ڈونڈے مٹائے ہیں آنکھ پے لاتے ہی پھرا پھیر پھر اپھیر۔ آگے پیچھے آگے پیچھے ساری چیھٹی

بانجھدی۔ یو چاسما تو اپنے للو لے بھی دلوانا چاہیئے گھنے کام کی چیج ہے۔

للو رے او للو۔

للو۔ کے ہے۔

چودھری۔ جا اپنی ماں سے میرے کپڑے لتے کڑھوالے۔ ہور دیکھیو جھا کرے میں سے روپے بھی لیا ئیے۔ گاڈی جان کا بکھت ہو رہا ہے۔ میں آج دلی ہوئی آؤں

للو۔ باپو آج تو دلی کیوں جا ہے۔

چودھری۔ تینے کے۔ توں جمعدار ہے جو بوجھے ہے۔

للو۔ پھر بھی۔

چودھری۔ ارے باؤلے۔ تیری کھاتر پڑھن کا چاسما لاؤں گا۔

للو۔ اس سے کے ہو جا گا۔

چودھری۔ اس میں چیھٹی ایسی پڑھی جا یا کرے گی جیسے اُس بڈھے منشی جی سے پڑھی جا رہی تھی۔

للو۔ اچھا۔۔ اہاہا۔ اہاہا۔

چودھری۔ لے اُڑ کے جا۔ بعد میں ہنستا رہیئے۔ کے یاد راکھے گا ایک دپھے تو
تنے صاحب بنا ہی دوں گا۔
(راتنے میں ان کی چودھرن دُور سے کہتی ہوئی آتی ہیں)
چودھرن۔ یہ کہاں جانے کی تیاری سُروع کردی۔
چودھری۔ ہٹ تیرا بھلا ہو۔ آگئی ٹوکتی ہوئی۔ سو دپھے سمجھایا کہ چلتے چلتے میری
راہ کھوٹی نہ کیا کر۔ پر کے مان کے دے ہے۔
چودھرن۔ میرا تو بولنا بھی کھٹکے ہے۔ ہے مالک مجھے اُٹھا کیوں نہیں لیتا۔
چودھری۔ بے پھکر رہو۔ تیرے سے پہلے میری لڑی کٹ لیگی جب تو کہیں جاگی۔
چودھرن۔ سرم تو نہ آتی کہتے وے۔
چودھری۔ اور تنے میری بات کو ٹوکتے وے سرم کو نہ آئی۔
چودھرن۔ ہو آ۔ میں تو کچھ بھی نہ کہتی تجھے۔
چودھری۔ تو پھر میرا ہی کونسا سر پھرا وا ہے۔ جا روٹی ٹوک تیار کرلے۔ ئیں ابھی
جاؤں گا۔
راوی۔ چودھری شیرا ریلوے اسٹیشن پر تشریف لاتے ہیں۔
سواری ۱۔ بابُوجی دلی کا ٹکٹ دینا۔
سواری ۲۔ بابوجی نانگلوئی کا ٹکٹ دینا۔
چودھری۔ بابوجی منے بھی دلی لوک جا کر چاسما لانا ہے۔ ٹکس دیجیو۔
بابُو۔ دلی سے آگے چاسما کوئی اسٹیشن نہیں ہے۔ دلی کا ٹکٹ ملے گا۔
چودھری۔ ٹکس تو دلی کا مانگوں ہوں۔

بابو۔ ساتھ آنے نکالو۔ جلدی کرو۔

چودھری۔ ساتھ آنے ٹھیک کہہ لو بابو جی۔ ہم تو رات دن جا بسیں۔

بابو۔ رات دن جاتے ہو تو کیا کریں۔ سات آنے کرایہ ہے اس سے کم نہ ہوگا۔

چودھری۔ نا بوجی ایسی بات کیوں کہو سو۔ چھ آنے میں ہمیں نہ چاہیں

مسافر ۲۔ بابو جی ہمیں دیر ہو رہی ہے۔ جلدی کیجیے۔ ہمیں بھی جانا ہے۔

چودھری۔ جانا ہے تو کے کریں۔ تمہارا وارہو۔ جب مہارا سودا پٹ لے تم لے لیجیو۔ تم نے کوئی روکے ہے۔

مسافر ۲۔ سودے کے بھائی تو جلدی سے ٹکٹ کیوں نہیں لے لیتا۔

چودھری۔ لے کیونکر لے۔ اگلا دے بھی۔ سات آنے سے پیسہ کم نا ہیں کرتا۔

مسافر ۲۔ عجب گاؤدی سے پالا پڑا ہے۔ ہماری بھی گاڑی نکلوا کر چھوڑے گا۔

چودھری۔ بابو جی ساڑھے چھ آنے لیلو۔ دین کی صلاح تو نہ تھی۔ پر تھاری کھاتر ہے۔

مسافر ۲۔ ارے او کھاتر کے بھائی۔ پرے کو ہٹ۔ پہلے ہمیں ٹکٹ لینے دے بعد میں چکاتا رہیو۔

چودھری۔ صاپھا کیوں اُتارے ہو رہے۔ ماروں کہے تو ایک لاٹھی کی کھود۔

بابو۔ چودھری تمھیں جلدی ٹکٹ لینا ہو تو لو۔ ورنہ میں ابھی قلیوں کو بلوا کر تمھیں پرے ہٹواتا ہوں۔

چودھری۔ (ڈر کر) کُلی نے کیوں بُلاؤ ہو بابو جی۔ ایک آدھ پیسہ تمباکو کے نام کا تو چھوڑنا چاہیے۔

مسافر ۲۔ ارے او تمباکو کے بچے پرے کو ہٹ۔ ریل آ گئی۔

بابو۔ اچھا چودھری میں تمھیں بچا ہوا ٹکٹ بعد میں چھ آنے ہی میں دے دوں گا
اس وقت ذرا پرے کو ہو جاؤ۔ (گاڑی کے آنے کی آواز)

چودھری۔ یو ٹھیک ہے۔ رے بھائی پہلے تو ن لے لے۔ تیرے گھنی جلدی بڑی
ھی۔ (گاڑی کا رُکنا)

بابو۔ لو بھائی جلدی ٹکٹ لے لو۔ کون کون لیتا ہے۔

مسافر ۱۔ بابو جی دلی کا ٹکٹ دینا۔

مسافر ۲۔ بابو جی شاہدرہ کا ٹکٹ دینا۔ (ٹکٹ دینے کے بعد)

بابو۔ لو بھئی چودھری تمھیں ٹکٹ لینا ہو تو لو ورنہ پھر گاڑی چھوٹ جائے گی۔

چودھری۔ لو چھ آنے۔

بابو۔ چھ آنے والا ٹکٹ تو ریل کے جانے کے بعد ملے گا۔

چودھری۔ پھر کے کروں گا۔

بابو۔ سوچ لو۔

(اسٹیشن کا شور و شر۔ مختلف آوازیں۔ ریل کا سیٹی دیکر چل پڑنا)

چودھری (گھبرا کر) بابو جی، بابو جی۔ یو تو چال پڑی۔ رُکوا دو بابو جی رکوا دو۔ سات آنے
دیدوں گا (گاڑی کے پیچھے بھاگنا) او گاڈی والے، او گاڈی والے
ڈاٹ لے۔ ڈاٹ لے۔ چھورے کی کھاتر پڑھن کا چا سمالانا ہے۔ ڈائیو۔
ڈائیو (ریل کا چلے جانا)

(سڑک پر بیٹھ کر) ریل والے بھی گھنے جدی ہوں ہیں۔ باؤ تو بیسیاں ڈھال کے
دیکھے پر اسٹیشن والے بابوؤں سے تلے ای تلے۔ جو بھاڑا ایک بے جیب سے

کاڑ دیا کے بات جو پھر اس میں کمی کر دیں۔ ہور باؤ بھی کے کریں۔ دُنیا نے سر چڑھا رکھا ہے۔ جو مانگے ہیں پکڑا دیں ہیں۔ لو جی باؤ جی اپنی ریل گاڑی کو سر پے ٹھاؤ ٹھاؤ پھرے جاؤ۔ ہم تو اب موٹر میں بیٹھ کر ڈگر جائیں گے۔ (دُور سے موٹر کا آنا اور ان کا پکارنا) او موٹر والے۔ او موٹر والے۔ روک لیو روک لیو۔ (موٹر کا رکنا)

ڈرائیور۔ ارے او چودھری گھر والی سے لڑ کر تو نہیں آیا ہے۔ بیچ سڑک میں کھڑا ہو گیا۔ بیوقوف کہیں کا۔

چودھری۔ لڑائی ہوئی ہوگی تیری۔ بیوا قوفی کے کریں گے۔ ارے ضروری جانا ہے اینٹھے بھی کیوں ہے۔

ڈرائیور۔ کہاں جاؤ گے۔

چودھری۔ دِلی لوک۔ چھورے کی کھاتر پڑھن کا چاسما لانا ہے۔

ڈرائیور۔ بیٹھ جاؤ۔

چودھری۔ او بھیا ڈرائیور پہلے یو کھول کے بھاڑا کے لیگا۔

ڈرائیور۔ بیٹھ جاؤ جو دستور ہے وہی لیں گے۔

چودھری۔ بھائی بعد میں رولا ہوتا پھرے۔ پھیر بھی۔

ڈرائیور۔ وہی سات آنے جو ہمیشہ لیا کرتے ہیں۔

چودھری۔ اوں ہوں۔ میں تو چھ آنے دیا کروں سوں۔

ڈرائیور۔ ساڑھے چھ آنے دینے ہیں کہ نہیں۔

چودھری۔ پیسہ چھ آنے بھی ناہیں دوں (آگے کو چل پڑنا)

ڈرائیور۔ جاتا کہاں ہے۔ چلو بیٹھو جلدی کرو۔

چودھری۔ کت بیٹھوں کھسم اس میں تو کو بیٹھن کی جنگا نا دکھدی۔

ڈرائیور۔ یہ کیا ہے۔

چودھری۔ یو دھرتی میں۔ کھونسڑون کے اُوپر۔

ڈرائیور۔ کیا ہرج ہے۔ رہوگے تو موٹر ہی کے اندر۔ آگے چلکر جب جگہ خالی ہو جائے تو سیٹ پر بیٹھ جانا۔

چودھری۔ اچھا بھائی بٹھا۔ جہاں تیرا جی چاہے بٹھا۔

ڈرائیور۔ لو یہاں بیٹھ جاؤ اس کھڑکی کے پاس۔ ٹھیک ہے۔

چودھری۔ تون پھکر نہ کر۔ ماڈا سا دھرتی پیرا و پر اُٹھن دے۔ آئے لے پھاٹک بھیڑ دے (کھڑکی بند ہوتی ہی) ہاں لے چھوٹن دے بے پروائی (موٹر کا چلنا)

راوی۔ دلی ریلوے اسٹیشن کے باہر جہاں موٹریں اور لاریاں کھڑی رہتی ہیں۔ دو بدمعاش آپس میں بات چیت کر رہے ہیں۔

بدمعاش ۲۔ اُستاد آداب عرض کرتا ہوں۔

استاد۔ کہو پٹھے کیا حال چال ہو۔

بدمعاش۔ استاد اب تو مزے میں ہوں۔

استاد۔ ابے ہم تیرے مزے کو تو نہیں پوچھ رہے ہیں۔ کام دھندے کا بتا کام دھندے کا۔

بدمعاش۔ کام دھندے کی نہ پوچھو۔ آجکل تو ایسی نحوست چھا رہی ہو کہ ہزار کوشش کرنے پر بھی کوئی تگڑی آسامی نہیں پھنستی۔ تیسرے چوتھے پان بیڑی کے گذارے کو دو چار روپے بن گئے تو کیا ہوا۔ تم جانو ہم تو ٹھالی آدمی ہیں

جب تک کلّے میں کوکین کا پان نہ ہو کیا مزیداری ہو۔

اُستاد۔ یہ بات تو ٹھیک ہو بیٹا۔ مگر تم نے اپنا علاقہ چھوڑ کر ادھر کے گشت کیوں لگانے شروع کر دئیے۔

بدمعاش۔ ذرا اپنی طرف ایک ایسی ہی واردات ہو گئی تھی۔ اس لئے ادھر کو آنا شروع کر دیا۔ اور تم جانو موٹروں کے اڈے پر قسم قسم کے آدمی آتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی عقل کا اندھا گانٹھ کا پورا یاروں کی آنٹ میں پھنس ہی جاتا ہو۔

اُستاد۔ لو بیٹا۔ اب ہماری تمھاری نپے گی۔ ہشیار رہنا کبھی کل کو کہو کہ مجھے خبر نہیں کی۔

بدمعاش۔ یہ کیسی باتیں کر رہے ہو اُستاد۔ بھلا میں اور آپ سے مقابلہ......

اُستاد۔ مقابلے پر نہیں آتے تو ٹھنڈے ٹھنڈے یہاں سے سٹک جاؤ۔

بدمعاش۔ اتنے پر لے علاقے کی واردات کچھ دب جائے۔ اتنے حصے پتّی میں کام کھنے دو۔ آپ جانیں خدانخواستہ میں آپ سے کچھ فرق تو کرنے سے رہا۔

اُستاد۔ اچھا تو آج کل کونسا طریقہ برت رہے ہو۔

بدمعاش۔ میرا مستقل پیشہ تو تم جانو ہاتھ کی صفائی ہو لیکن یہاں تو اور ہی طرح گزارہ کر رہا ہوں۔

اُستاد۔ وہ کیسے بھئی۔

بدمعاش۔ اُستاد یہ تو اڈا ہونا تم جانو یہاں تو زیادہ تر مسافر ہی نظر آتے ہیں اور مسافروں میں بھی زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہو جو خرید و فروخت کی غرض سے آتے ہیں۔

اُستاد۔ یہ تو ٹھیک ہے۔

بدمعاش۔ بس تو انھیں خرید فروخت والوں میں سے اپنی چرب زبانی کیوجہ سے کام نکالتا ہوں کیسی سے کمیشن اور کسی کو صلی کی بجائے نقلی مال دلوا کر اپنا اُلّو سیدھا کرتا ہوں۔ (ہا ہا ہا ہا ہا)

استاد۔ کام تو خوب ہی بیٹا۔ ہاں تو بولو نقد میں ایک تہائی اور مال میں نصفا نصفی کے شریک ٹھیرلتے ہو۔

بدمعاش۔ ٹھیرایا۔

استاد۔ ایمانداری شرط ہی۔

بدمعاش۔ یہ بات تمھیں نہیں کہنی چاہیئے اُستاد۔

استاد۔ اچھا تو ہاتھ لاؤ (ہاتھ پہ ہاتھ مارنا) (موٹر کے آنے کی آواز)

بدمعاش۔ اے لو اُستاد ایک موٹر آرہی ہی اور ابھی تک بونی بٹا کچھ نہیں ہوا ہی۔

استاد۔ تو پھر الگ ہو جاؤ۔ (موٹر کا رُکنا)

ڈرائیور۔ لو بھائی موٹر کو جلدی سے خالی کردو۔ دِلّی آگئی ہے (وقفہ) کیوں بھئی چودھری یہ اور تو سب اُتر گئے تم کیوں نہیں اُترتے۔

چودھری۔ چاسے والے کی دوکان پرجاکے اترونگا۔ چھورے کی کھاتر پڈھن کا سما لینا ہی۔

ڈرائیور۔ دوکان کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔ اڈّے پر چھوڑنیکا کرایہ لیا ہی۔

چودھری۔ نا بھائی نائیں تو دوکان پی جاکر اتروں گا۔

ڈرائیور۔ کیا ٹھیک ہی۔ تجھ لاٹ صاحب کو گھر پر چھوڑ آئیں گے۔ نیچے اُتر۔

چودھری۔ لاٹ صاحب ہو گا توں۔ منے کیوں بناوے ہے۔

بدمعاش (قریب آکر) کیا بات ہی بھئی کیا بات ہی۔ چودھری لڑنے کی کیا بات ہی۔

چودھری۔ کے بات تھی، چھ آنے کے پیسے ڈکار گیا ہور چاسیے والے کی دُکان نہیں بتاتا۔

ڈرائیور۔ پھر مفت ڈکار گیا دو من کی لاش کو موٹر میں ڈالکر نہیں لایا تھا۔

چودھری۔ ارے تون ادھر تو آتینے لاس لوس کراؤں۔

بدمعاش۔ ہیں ہیں۔ چودھری کیا غضب کر رہے ہو۔ میاں ڈرائیور صاحب تمھیں بھی اتنی سختی نہیں کرنی چاہیئے۔ تم جاؤ چودھری صاحب پردیسی آدمی ہیں اور پردیسی آدمی کو کہیں آنے جانے کی مشکل ہوتی ہی ہے۔

ڈرائیور۔ میاں اگر تمھیں ایسا ہی چودھری کا خیال ہو تو خود جاکر دوکان بتا آؤ۔ میں تو یہاں سے ایک قدم آگے نہیں سرکاؤں گا۔ بڑے آئے طرفداری کرنیوالے۔

بدمعاش۔ آؤ میاں ہم بتا دیں گے۔ گو ہمیں اسوقت ایک ضروری کام جانا ہے۔ لیکن تھوڑی دیر میں چلے جائیں گے۔

چودھری۔ تون چل بھائی منے تو ایک آدمی چاہیئے۔

بدمعاش۔ لو آؤ چلو۔

چودھری۔ چالو (وقفہ) دیکھ چلتی دیکھے یو ڈرائیور کیسا گھورے ہے جیسے کھا دے گا۔

ڈرائیور۔ چل چل چل۔ اگر تیری جیسی دو چار سواریاں روز ملجائیں تو بس ہم نے کھا کما لیا۔ (شور وشر)

بدمعاش۔ میاں جاؤ بھی چودھری صاحب۔ کس کے کہے پر دھیان دیر ہے ہو۔ جاؤ میاں جاؤ۔ ڈرائیور صاحب تم بھی جاؤ۔ آؤ جی آؤ جی ادھر میرے ساتھ آؤ۔ (وقفہ) ہاں تو چودھری تمھیں کس کی دوکان پر جانا ہے۔

چودھری۔ اوہے بات میں بے کہ لی بھائی منے چھورے کی کھاتر چاسما لینا ہے۔

بدمعاش۔ چاسما کیا بلا ہوتی ہے۔
چودھری۔ تون بھی یونہی ہے۔ ارے او آنکھاں پے لادیں ہیں نا پڈھن کی کھاتر۔ اسنے کہوں ہوں۔
بدمعاش۔ عینک کو تو نہیں کہہ رہے ہو۔ عینک کو۔
چودھری۔ کچھ اے کہلے اوہے عینک اوہے چاسما۔ ایک اے بات ہے۔
بدمعاش۔ تو کسی ڈاکٹر کا پرچہ لے آئے ہو یا یہیں پر آنکھیں ٹیسٹ کراؤ گے۔
چودھری۔ کیسا ڈاکدر۔ ڈاگدر پاگدر میں نا ہیں جانوں۔ مئے تو پڈھن کا چاسما دوا دے۔ جیسا ہمارے منشی جی نے لا را کھیا ہے۔
بدمعاش۔ تو منشی جی نے تمھاری آنکھیں ٹیسٹ کر دی ہیں۔
چودھری۔ تون باؤلا تو نا ہیں ہے۔ آپے آپ ٹیسٹ پیسٹ کرن لاگ را ہے۔
بدمعاش۔ ارے بھئی تو منشی جی کی آنکھ کا کچھ نمبر بھی ہو گا۔
چودھری۔ نمبر پنبر کے مار گولی۔ پڈھن کا دوا دے۔ ایسا ہو کہ للو بھی پڑھ لے ہور مو کہ بیٹھے تو میں بھی پڑھ لوں۔
بدمعاش۔ تو کیا تم دونوں کی آنکھیں خراب ہو رہی ہیں۔
چودھری۔ کھراب ہوں تیری۔ تون تو گھنا کھوٹا آدمی نکلا۔
بدمعاش۔ ارے بھائی جب تمھاری آنکھیں بھی ٹھیک ہیں اور للو کی آنکھیں بھی ٹھیک ہیں تو عینک کس کے لئے خرید رہے ہو۔
چودھری۔ پڈھن کی کھاتر۔ پڈھن کی کھاتر۔ سو بے کہہ لیا کہ پڈھن کی کھاتر۔ کو چسٹھی چپاٹھی بازار سے آجا ہے تو مشکل ہو جا ہے۔ اب کے یو سوچی تھئی کہ دس پانچ

روپے اس پہ بگاڑ دیں تو چوکھا آرام ہو جا گا۔

بدمعاش۔ (معاملے کو سمجھکر) اچھا یہ بات ہے۔ تمھیں وہ عینک چاہیے جو آنکھوں پہ لگتے ہی خط کتاب وغیرہ پڑھنا شروع کردے۔

چودھری۔ کھت کیسا تھ کتاب بھی کیوں بھنسا دے ہے۔ ایسی ہو جو جھٹ بانچھ دے۔

بدمعاش۔ ملجائے گی۔ پہلے سے کیوں نہ بتایا۔

چودھری۔ اب تو تون سمجھ گیا۔

بدمعاش۔ چلو دلوا دیتا ہوں (وقفہ) مگر تم نے اس کے رکھنے کے لئے ڈبہ بھی خرید لیا ہے کہ نہیں۔

چودھری۔ ڈبہ میں رکھا جا گا۔

بدمعاش۔ کیوں نہیں۔ جب تک اپنے گاؤں سے باہر رہوگے اسے بند رکھنا پڑیگا ورنہ یہاں کی پڑھائی یہیں پر رہ جائے گی۔

چودھری۔ یو ٹھیک بتائی تنے مینے تو یو سوچ راکھی کھتی کہ یہیں سے بابو بن کے جا نگا۔

بدمعاش۔ نہیں نہیں ایسا غضب نہ کرنا۔ گاؤں میں پہنچنے کے بعد صبح دن نکلنے سے پہلے باپ اور بیٹا دونوں نمبر وار اپنی آنکھوں پر لگانا اور پڑھنا شروع کردینا۔

چودھری۔ تیرا بیٹا جیوے۔ یو اور بتا دے اک پہلے میں اپنی آنکھاں پر چڑھاؤں یا چھورے کی آنکھ پے۔

بدمعاش۔ پہلے تم اپنی آنکھوں پر لگانا۔

چودھری۔ ٹھیک ہے۔ (وقفہ)

بدمعاش۔ لو ذرا تم اس کھمبے کے پاس کھڑے ہو جاؤ میں سامنے والی دوکان پر جاکر

پوچھتا ہوں کہ اس کے پاس پڑھائی کی عینک موجود ہے یا نہیں۔

چودھری۔ جا۔ بوجھیا۔ بے کھٹکے ہو کے بوجھیا۔ اس تیرے کھمبے کے تلے ڈٹا رہوں گا۔

بدمعاش۔ (دوکاندار سے) کہو بھئی دوکاندار۔ مزے میں ہو۔

دوکاندار۔ کون۔ کرمو۔ ارے بھئی کہاں ہو۔ اب کے تو بہت دنوں میں نظر آئے۔

بدمعاش۔ آہستہ بول یار۔ ایک آسامی ساتھ ہے۔ دیکھنا وہ سامنے والی عینک ہے نا اسے ڈبے میں بند کر کے رکھ دینا اور دس روپے قیمت بتانا۔

دوکاندار۔ چار آنے کے چشمے کے دس روپئے۔ یاروں کو کیا دلواؤ گے۔

بدمعاش۔ قیمت کے علاوہ ایک دُگی۔ لو اب تو خوش ہو۔

دوکاندار۔ بس کافی ہے۔ ہاں مگر کہنا کیا پڑے گا۔

بدمعاش۔ دیکھنا عینک اسکی آنکھ پر نہ لگنے پائے اور ہاں یہ اور بتا دینا کہ گاؤں میں پہنچنے کے بعد صبح صبح اپنی آنکھوں پر لگائے اور پڑھنا شروع کر دے۔ سمجھ گئے

دوکاندار۔ خوب اچھی طرح سے۔ لاؤ نا اسے کہاں ہے۔ میں بھی سوچ رہا تھا کہ آج صبح سے ہتھیلی میں کھجلی کیوں ہو رہی ہے۔

بدمعاش۔ ابھی لایا (چودھری سے) لے بھئی چودھری بڑی مشکل سے راضی کر کے آیا ہوں۔ ورنہ کہتا تھا دوسرے کو دینے کے لئے رکھا ہے۔

چودھری۔ دوسرا گھنی رکم دے گا بھائی۔ چل تاؤلی سی دلوا لے۔

بدمعاش۔ چلو۔ دوکاندار سے) لو بھئی وہ عینک انھیں چاہیئے۔

دوکاندار۔ پڑھنے کی عینک چاہیئے نا۔

چودھری۔ پڈھن کی ایسی دیدے جو چھٹی کا ایک ایک حرپھ بانچھ دے۔

دوکاندار۔ ایک آدمی کے پڑھنے کے لئے چاہیئے یا دو آدمیوں کے۔

چودھری۔ ڈو کے۔

دوکاندار۔ اچھا تو پندرہ روپے نکالیئے۔

چودھری۔ کے کہی۔ پندرہ روپیئے۔

بدمعاش۔ بہت زیادہ ہیں استاد۔ ذرا سوچ سمجھ کرلے لو۔

دوکاندار۔ میاں یہ بھی تمہاری خاطر ہے۔ ورنہ دوسرے سے بیس روپے کہے تھے۔

بدمعاش بھئی یہ تو تمہاری مہربانی ہے۔ لیکن چودھری بھی کوئی غیر آدمی نہیں۔ اپنا ہی آدمی ہے۔ سوچ سمجھ کرلے لو۔

دوکاندار۔ چلو ایک روپیہ کم دیدو۔

چودھری۔ نا بھائی نا۔ میں تو دس روپے سے ایک پیسہ بتی ناہیں ڈوں۔

دوکاندار۔ دس روپے میں ایک آدمی کے پڑھنے کی آئے گی۔ لیجاؤ۔

چودھری۔ اور چھورے نے کت کنوئیں میں گیر دوں۔

بدمعاش۔ بھئی دوکاندار صاحب لیں گے تو دونوں ہی کے لئے لیں گے۔

دوکاندار۔ اچھا تو بارہ دلواؤ۔

چودھری۔ بتی ناہیں ڈوں۔

بدمعاش۔ اماں چلو ہٹاؤ بھی اور کہیں کسر نکال لینا۔

دوکاندار۔ خیر بھئی۔ تمہاری بات کیا ٹالی جائے گی۔ ہم سمجھ لیں گے کہ ایک چیز بغیر منافع بیچ دی۔ لاؤ ڈبہ لاؤ تاکہ اس میں بند کردوں۔

بدمعاش۔ ڈبہ وبا ہمارے پاس کچھ نہیں۔ اس کی مہربانی بھی تم ہی کرو۔
دوکاندار۔ بھئی واہ، یہ چھٹی بھی میرے ہی سر منڈھی گئی۔ خیر ڈبہ بھی دیں گے۔ مگر دیکھنا راستے میں کھلنے نہ پائے۔ نہایت ہوشیاری سے لیکر جانا اور گھر پہنچنے کے بعد باپ اور بیٹے نمبروار۔ یعنی پہلے باپ اور پھر بیٹا اپنی آنکھوں پر لگانا اور پھر پڑھنا شروع کر دینا۔
چودھری۔ یو ساری بات تو اس نے منے بتا دی تھی۔ تو ن منے ڈبہ پکڑا اور پیسے سنبھال دیکھ لے کھوٹا کھرا۔ اب تو بدل دوں گا۔ پھر مول ناہیں بدلوں۔
دوکاندار۔ سب کھرے ہیں۔ (وقفہ)
(اپنے گھر پہنچنے کے بعد چودھری دوسرے دن صبح کو)
چودھری۔ للو رے۔ او للو۔ اُٹھ۔
للو۔ کیوں کے ہے۔ اتنے سبیرے سبیرے کیوں جگا دے ہے۔
چودھری۔ ارے سبیرے کے بھائی۔ تیرے سے کہیا تھا کہ تڑکے دن نکلنے سے پہلے چا سما چڑھا دیں گے۔ بھول گیا۔
للو۔ نا یاد ہے۔
چودھری۔ جا تو پھر اپنی ماں سے او ڈبہ مانگ لا۔
للو۔ لاؤں ہوں۔ (اسکے جانے کے بعد چودھری خود سے)
چودھری۔ دس روپیے تو کھرچ ہو گے۔ پھر کے ہے ساری عمر کا روگ بھی تو کٹ گیا منے تو اس منشی جی پے گسّہ آوے ت مسوسا کرائی، پوری بٹی دودھ کی ڈکار گیا پھر بھی کھت آدھا پردھا سنایا۔ اب کے آوے گا تو کہہ دوں گا

کہ اپنی چٹھیاں بھی بھجوالے۔

للو۔ (دُور سے) اس سے تو کوئی چٹھی نہ بھیجی۔

چودھری۔ ہائے ڈوب دیا۔ ارے تیرا ستیاناس جا۔ تجھے ڈبہ کھولن کو کس نے کہیا تھا۔ کری کرائی کھودی۔ دیکھوں (آنکھوں پہ لگا کر) اب کے دیکھے تھا دلی والے نے کہیا تھا پہلے تو ان اپنی آنکھ پہ لائیو۔ تینے اُلٹی بات کیوں کری... (پٹینا)

للو۔ اب کے بنے۔ ہوگئی سو ہوگئی۔

چودھری۔ (پیٹتے ہوئے) بنا بنانا کے تھا۔ دس روپے ٹنگیاں کے دئے۔ موٹر کا بھاڑا کھویا۔ اب کہے ہے کے بنے۔ (مکا مار کر) چال جا اڑے سے نہیں تو کاٹ گرونگا۔

(مارنا پیٹنا۔ لڑکے کا رونا۔ سور وشرا در ختم)

افیم کی ترنگ

راوی۔ ایک افیمی تھے۔ افیمیوں کی عادت تو آپ جانتے ہی ہیں۔ ہر وقت پینک میں پڑے رہتے ہیں۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ کچھ کام نہ کریں.... خیر.... جبتک گزارہ چلتا رہا یہ گھر میں پڑے رہے لیکن جب گذارہ کی کوئی صورت نہ دکھائی دی تو یہ ایک رئیس کے ہاں پہنچے۔

افیمی۔ بندگی مہاراج۔

رئیس۔ بندگی۔۔ آؤ میاں افیمی کیا حال ہے۔

افیمی۔ خاصہ ہے سرکار۔ بس سمجھ لو کہ مزے ہی میں ہوں۔ ابھی تک مل رہی ہے۔

رئیس۔ اُتنی ہی کھا رہے ہو یا کچھ کم کر دی۔

افیمی۔ یہ چیز تو ایسی ہے سرکار کہ مر کر ہی چھٹے گی۔ اور بات تو اصل میں یہ ہے کہ مجھے تو جو کچھ ہے یہ ہے۔ چاہے ایک دو وقت کا کھانا نہ ملے۔ پر افیم ضرور ملے۔ اس کے

بغیر گذارہ نہیں (ہنسنا)

رئیس۔ خیر چلو کوئی بات نہیں۔ کہو آج کیسے آئے۔

افیمی۔ سرکار سُنا تھا کوئی نوکری خالی ہو آپ کے یہاں۔

رئیس۔ ہاں ہے تو سہی۔ پر......

افیمی۔ آپ فکر نہ کریں میں اچھی طرح سے آپ کا سب کام کیا کروں گا۔ کیا کریں سرکار گذارہ کرنا ہی ٹھیرا۔ آج کل تو اس کے دام بہت ہی چڑھ گئے۔ مُنہ کالا ہو اس لڑائی کا ہر چیز مہنگی ہو گئی۔ ہاں تو بتائیے مجھے کام.....

رئیس۔ بھئی یہ ہمارا گھوڑا ہے۔ فی الحال اسے مل دیا کرو۔

افیمی۔ گھوڑا ملوائیں گے آپ مجھ سے... خیر صاحب چھ ماشہ تو کسی نہ کسی طرح لانی ہی پڑے گی۔ کدھر ہے وہ آپ کا گھوڑا۔

رئیس۔ ارے دِکھتا نہیں۔ وہ سامنے کیا ہے۔

راوی۔ بس جناب یہ افیمی گھوڑا ملنے پر نوکر ہو گئے۔ ایکدن یہ نشے میں چور تھے کہ ایک چور آیا اور موقع پاکر گھوڑے کو اڑا کر لے گیا۔ جب انھیں ہوش آیا تو بہت سٹ پٹائے۔ گھوڑے کی تلاش میں بھاگے۔ سامنے سے رئیس کا ایک اور نوکر آرہا تھا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ اسکے لپٹ گئے اور بولے۔

افیمی۔ بدمعاش کدھر رسہ تڑا کر بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔

نوکر۔ ابے سالے افیمی آنکھیں کھول تمھیں دِکھتا ہو یا نہیں۔ کون ہوں میں۔

افیمی۔ سب معلوم ہو جائے گا جب تھان پر باندھکر ڈنڈے رسید کروں گا۔ عین ملنے کے وقت بھاگ لیا تھا۔

نوکر۔ کیا ملنا۔ تم سمجھ کیا رہے ہو مجھے۔ کیا ابھی تک پینک ہی میں ہو۔۔۔۔۔۔
بھائی میں کرموں ہوں۔

افیمی۔ کرموں۔ ارے ۔۔۔۔۔ اور گھوڑا کدھر ہے۔

نوکر۔ مجھے کیا خبر۔ گھوڑا کدھر ہے۔ میں تو کرموں ہوں۔ اچھی طرح سے پہچان لو۔

افیمی۔ اوہ یار۔ معاف کرنا۔ بڑی بھول ہوئی۔ پر گھوڑا کدھر گیا۔

نوکر۔ گھوڑا ۔۔۔۔ (سوچنا) وہ کیا کھڑا ۔۔۔ سڑک کے کنارے۔ جاؤ جلدی سے
پکڑ لاؤ۔ نہیں تو بھاگ جائے گا۔

افیمی۔ ابھی لایا۔ (جانا)

نوکر۔ (ہنسنا)

راوی۔ نوکر نے افیمی سے مذاق کیا۔ اسے دُور ایک گدھا دکھائی دیا تھا۔ اسنے
وہی افیمی کو بتا دیا۔ افیمی تو نشے میں تھے ہی۔ گدھے کا کان پکڑ کر تھان
پر لے آئے اور اسے ملنے لگے اتنے ہی میں وہ رئیس آگیا اور بولا:۔

رئیس۔ ارے ارے کیا کر رہے ہو۔

افیمی۔ مالش کر رہا ہوں سرکار۔

رئیس۔ مالش تو کر رہے ہو۔ لیکن یہ بھی دیکھ رہے ہو کون ہے۔

افیمی۔ گھوڑا ہے۔

رئیس۔ گھوڑا کون بیوقوف کہتا ہے اسے، یہ تو گدھا ہے۔

افیمی۔ گدھا ہے (ہنسنا) کیا بات کہی ہے سرکار آپنے بھلا ایسی بات ہو سکتی ہے کہ
کبھی گھاس چر جائے۔ یہ گھوڑا ہی تھا۔

رئیس۔ تو پھر یہ گھوڑے سے گدھا کیوں کر بن گیا۔

افیمی۔ سرکار یہ گدھا نہیں ہے۔ گھلتے گھلتے گھوڑے کا خلاصہ رہ گیا ہے۔

(سب کا ہنسنا)

راوی۔ کچھ دن اور گزر گئے۔ ایک دن یہ اپنی کھٹیا پر پڑے پینک میں حقہ بجا رہے تھے۔
ایک دن انہیں وقت پر افیم نہ ملی۔ یہ بہت گھبرائے کہ اتنے ہی میں انکا
ایک دوست آیا اور اس نے کہا:-

دوست۔ بھیا رامو۔ اے رامو۔

افیمی۔ (خراٹے لینا)

دوست۔ میں نے کہا کیا سو رہے ہو۔

افیمی۔ نہیں نہیں۔ تیری ہی راہ دیکھ رہا تھا آگئی

دوست۔ (حیرانی سے) آگئی۔ میں نے کہا اپنے ہوش میں بھی ہو یا نہیں۔

افیمی۔ تم بھی کیسی باتیں کر رہی ہو منو کی ماں۔ کبھی تم نے ہمیں بے ہوشی کی
حالت میں دیکھا تھا۔

دوست۔ لاحول ولا قوۃ۔ پھر وہی بکواس۔ ارے بھائی ...... اس پینک سے
نکلو۔ میں کیا کہہ رہا ہوں۔

افیمی۔ میں سن تو رہا ہوں تمہارے سر کی قسم آج تو سارا بدن ٹوٹا جا رہا ہے۔ لاؤ کہاں ہیں
وہ چار آنے کے پیسے میں خود ہی لے آؤنگا افیم۔ ہو تم بہت اچھی

دوست۔ بھئی کمال ہو گیا۔ افیمی تو تھے ہی ساتھ ہی بہرے بھی ہو گئے (زور سے)
میاں بہرے کدھر کھوئے ہوئے ہو......

افیمی۔ کون بہرہ۔ یہ کس سے باتیں کر رہی ہو شرم تو نہیں آتی۔

دوست۔ باتیں کر رہی ہو۔ نہیں کر رہا ہوں۔ آنکھیں کھول کر دیکھو تو کچھ پتہ چلے۔ میں ہوں تمھارا دوست بندو۔

افیمی۔ ارے بندو (ہنسنا) چھی چھی چھی چھی چھی۔ دیکھو بی۔ اوہ توبہ۔ بھیا معاف کرنا بڑی بھول ہوئی۔ ہم اسوقت کہیں اور پہنچے ہوئے تھے۔ خبر ہی نہیں تھی کہ تم آجاؤ گی۔ ہم سمجھے ہمارے دوست بندو آگئے۔

دوست۔ غضب ہے کہ ابھی تک آپ کے دماغ سے منو کی ماں کا خیال نہیں نکلا۔ کبھی کبھی ان آنکھوں کو استعمال کر لیا کرو۔ سناؤ آج افیم نہیں ملی کیا

افیمی۔ (جمائی لیکر) ارے بھئی بندو۔ تم سے کیا چھپانا۔ صبح سے یہ وقت آگیا قسم لیلو جو شکل بھی دیکھی ہو تو۔ گھر والی نے الگ ناک میں دم کر رکھا ہے کے گھنٹے ہو گئے چلّاتے چلّاتے۔ بھاگوان پیسے ہی نہیں نکالتی۔ پھر بتاؤ۔ افیم کہئے تو کیسے آئے۔ بھئی بندو ہم تو مر جائیں گے۔ اگر آج شام تک نہ ملی افیم تو......

دوست۔ نہیں نہیں ایسی باتیں کیوں کرتے ہو۔ لو کچھ پیسے میں دیئے دیتا ہوں۔ انکی افیم منگا لو۔ منگا لو گے یا میں لا دوں۔

افیمی۔ نہیں نہیں نہیں تیرے بس کا کام نہیں ہے یار۔ یہ تو میں ہی لاؤں گا۔ اچھا تو میں چلوں۔ ارے میرے مالک۔ اہو ہو ہو ہو۔

راوی۔ خیر جناب۔ میاں افیمی جلدی جلدی پیسے لیکر افیم لینے کے لئے چل پڑے لیکن نشے کا توڑ ہو رہا تھا۔ آنکھیں بھی بند ہو رہی تھیں۔ راستے میں ایک کنواں تھا چلتے چلتے اسی میں گر پڑے (دھڑام سے گرنا۔ گلاس میں بولنا)

افیمی ۔ مرگیا رام ۔ کوئی آکے بچائیو ۔ آہا ہا ہا ۔ بڑا ٹھنڈا پانی ہے ۔ اُف دوڑو ۔ بچاؤ ۔

بچہ ۱ ۔ ارے افیمی کنوئیں میں گر پڑا ۔ دوڑو ۔ بھاگو ۔

۲ ۔ کوئی مضبوط سا رستہ لاؤ (آواز دینا) میاں افیمی ہم رستہ پھینکیں گے لے کمر سے باندھ لینا ۔ ہم اوپر کھینچ لیں گے ۔

افیمی ۔ کہیں پھینکو تو سہی ۔ اہا ہا ہا مرگیا ۔

لڑکا ۔ اے لو ۔ اب اس رستے کو مضبوطی سے پکڑ لو ۔

راوی ۔ خیر جناب بڑی مشکل سے افیمی کو باہر نکالا گیا ۔ اسی طرح کچھ دن اور گذر گئے ایک دن میاں افیمی سڑک پر چلے جا رہے تھے کہ انھوں نے ایک جگہ کچھ لوگوں کو کھڑا دیکھا ۔ انھوں نے پوچھا ۔

افیمی ۔ کیوں بھیا ۔ یہ لوگ یہاں پر کیوں جمع ہیں ۔

لڑکا ۔ میاں کیا بتائیں یہ سامنے درخت دیکھ رہے ہو ۔ اس پر وہ آدمی بیٹھا ہے ۔ تو یہ اس درخت کے اوپر چڑھ تو گیا تھا لیکن اب اترا نہیں جاتا ۔ سوچ رہے ہیں کہ اسے کس طرح نیچے اُتاریں ۔

افیمی ۔ تم تو سب پاگل ہو ۔

آدمی ۔ وہ کیسے ۔ ہم پاگل ۔

افیمی ۔ اور پاگلوں کے کوئی سینگ اُگا کرتے ہیں ۔ ذرا سی بات کا بتنگڑ بنالیا ۔ اس کا نیچے اتارنا کیا مشکل ہے ۔

لڑکا ۔ میاں افیمی تو پھر آپ ہی کچھ مدد کریں ۔

افیمی ۔ ہاں ہاں ضرور ۔ دیکھو ۔ تم جلدی سے ایک موٹا سا رستہ لاؤ ۔

بچہ ۔ رَسّے کا کیا کرو گے۔
افیمی ۔ یہ بتانے کی مجھے فرصت نہیں۔ اگر تم اس آدمی کو نیچے اُتروانا چاہتے ہو تو جو میں کہتا ہوں وہ کرو۔ ورنہ میں جاتا ہوں۔
آدمی ۔ ارے بھئی سنو تو سہی۔ اچھا بھائی جو آپ کہیں گے وہی ہم کرینگے اور کچھ نہ بولیں گے۔
۲ ۔ رسّہ تو اس آدمی کے پاس موجود ہے یہ لو۔
افیمی ۔ اچھا اب اسے اُوپر پھینکو اور اس اوپر والے سے کہو۔ اسے مضبوطی سے پکڑ کر اپنی کمر میں باندھ لے۔
لڑکا ۔ (چلاّ کر) لو بھیا۔ تھاموا سے۔ ہم پھینکتے ہیں۔ اے ...... اے .... یہ لو اب اسے مضبوطی سے اپنی کمر میں باندھ لو۔
افیمی ۔ باندھ لیا بھئی ... لاؤ بھئی اس کا دوسرا سرا مجھے پکڑاؤ اور ذرا سب مل کے زور لگا کے کھینچو
آدمی ۔ ارے ارے کیا غضب کرتے ہو۔
بچہ ۔ مر جائے گا اس طرح سے تو یہ۔
افیمی ۔ پھر وہی بیچ میں ٹانگ اڑائی۔ خبردار جو شور مچایا تو۔ اے کھینچو۔ زور سے کھینچو ...... (کسی چیز کا گرنا۔ اور ہائے کی آواز)
آدمی ۔ ہائے ہائے مار ڈالا۔ (شور) او افیمی یہ تو نے کیا کیا۔
لڑکا ۔ ارے تیرا ستیاناس ہوئے۔ مار ڈالا بیچارے کو۔ اب اس کا بدلہ تجھ سے لیں گے۔
افیمی ۔ ارے کیا غضب کرتے ہو سنو تو بھائی اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ اس کا تو وقت ہی پورا ہو گیا تھا۔ ورنہ میں تو خود اپنی کمر سے اسی طرح رسّہ بندھوا کر کنوئیں میں سے نکلا ہوں۔ (سب کا ہنسنا)

ختم شد

چودھری سلطان صاحب

کے

ڈراموں کا دوسرا مجموعہ

زیر تکمیل ہے اور بہت جلد

شائقان ادب کی قدر شناس نگاہوں کے

سامنے آجائے گا

(مطبوعہ بمبئی محبوب برقی پریس دہلی)